ماہنامہ انصاراللہ

اکتوبر 2007ء

اخاء 1386 ہش

ایڈیٹر

نصیر احمد انجم

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

جلسہ سالانہ برطانیہ 2007ء میں شرکت کے لئے تشریف لاتے ہوئے

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ انصار اللہ

ایڈیٹر: نصیر احمد انجم

اخاء 1386 ھش اکتوبر 2007ء

جلد ---------- 48

شمارہ ---------- 10

فون نمبر: 047-6212982 فیکس نمبر 047-6214631

ای میل: ansarulahpakistan@gmail.com

نائبین

ریاض محمود باجوہ

محمود احمد اشرف

صفدر نذیر گولیکی

پبلشر: عبدالمنان کوثر

پرنٹر: طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: انیس احمد

مقام اشاعت: دفتر انصار اللہ

دار الصدر جنوبی چناب نگر (ربوہ)

مطبع: ضیاء الاسلام پریس

شرح چندہ: (پاکستان)

سالانہ .... ایک سو روپیہ

قیمت فی پرچہ ...... 10 روپے

اس شمارہ میں

اداریہ 2

القرآن 4

حدیث نبویؐ 5

عربی منظوم کلام 6

فارسی منظوم کلام 7

اردو منظوم کلام 8

کلام الامام 9

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ 10-22

تحریر: مکرم سعد محمود باجوہ صاحب

جماعت احمدیہ برطانیہ کا 41واں جلسہ سالانہ 23-27

تحریر و ترتیب: مکرم محمد محمود طاہر صاحب

''رحمت کی آس میں مرا دستِ دُعا دراز'' 28

کلام: مکرمہ سیدہ امۃ القدوس بیگم صاحبہ

کتاب ''سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ'' (قسط دوم) .... 29 تا 37

مکرم عاصم جمالی صاحب

غزل (کلام: مکرم طاہر عارف صاحب) 38

وقفِ عارضی کی برکات .... 39 تا 40

از مکرم ناظم صاحب تعلیم القرآن مجلس انصار اللہ پاکستان

اداریہ

’’ساقیا آمدنِ عید مبارک بادت‘‘

ہم احمدیوں پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ اس ماہ اکتوبر میں رمضان المبارک کے اختتام پر خدا کی طرف سے عیدالفطر کا تحفہ مل رہا ہے۔

وہ مومن جنہوں نے خدا تعالیٰ کی خاطر حلال اور جائز امور کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جنہوں نے راتوں کی نیند ختم کر کے اس کے حضور قیام اللیل کیا۔ تلاوت کلام پاک سے اپنے لبوں کو تر اور اپنے دلوں کو معطر کیا۔ جنہوں نے محض مولیٰ کی رضا کی خاطر بھوک پیاس برداشت کی۔ جنہوں نے رضا الٰہی کو پانے کے لئے انفاق فی سبیل اللہ اور دیگر نیکیوں میں مسابقت دکھائی۔...... وہ جن کی اعمالِ حسنہ کی ترنگ دیکھ کر شیطان دُم دبا کر بھاگ گیا...... ہاں وہ مومن جنہوں نے ان ایام میں خوب کمائی کی اور روحانی دولت سے اپنے قلب ونظر معمور کر لیتے۔ ان کی خاطر خدا کی طرف سے عید کا تحفہ ہے۔ اللہ ہم سب کے لئے یہ عید خوشیوں، مسرتوں اور برکتوں والی عید بنا دے آمین۔

ابھی اس آمدہ عید سے قبل جولائی کے آخر پر ہم نے جلسہ سالانہ برطانیہ اور پھر جلسہ سالانہ جرمنی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بپا ہوتے دیکھے۔ چار دانگ عالم سے دین حق کے متوالے اور احمدیت کے شیدائی یورپ میں اکٹھے

ہوئے اور وہاں خدا کی توحید و کبریائی کے نعرے بلند کئے یہ محض کھوکھلے نعرے ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ان کے عمل کی سچائی بھی جھلکتی ہے۔

آنے والے پرانے اور نئے احمدیوں کے چہروں سے اور ان کے تاثرات سے ان کے عزم نو کا پتہ ملتا ہے۔کہ وہ کُل عالم کو اِس روحانی نہر پر لا کر رہیں گے جو جام لبالب انہوں نے پیا ہے۔وہ یہ جام لئے دوسروں کے منتظر ہیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

قارئین کرام! عید عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے بار بار لوٹ کر آنے کے ہیں۔پس دیکھو خدا کا ہم پہ کیسا احسانِ عظیم ہے کہ بار بار ہمارے لئے عید کا سماں ہوتا ہے۔کبھی دنیا کے مغربی حصے میں تو کبھی مشرق میں کبھی شمال میں تو کبھی جنوب میں۔خدا تعالیٰ ہمارے لئے ہر عید کا سماں مبارک کرے اور ہمیں ان مواقع سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔آمین

سالانہ اجتماع انصار اللہ کا التواء

مجلس انصار اللہ پاکستان کا سالانہ اجتماع مورخہ 26، 27، 28 اکتوبر 2007ء حکومت کی طرف سے تا اطلاع اجازت نہ ملنے کی وجہ سے ملتوی کیا جاتا ہے۔ان تاریخوں میں یہ اجتماع نہیں ہوگا۔ضلعی عہدیداران جملہ مجالس کو یہ اطلاع پہنچادیں۔شکریہ

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ پاکستان)

القرآن

اطمینان قلب کا ذریعہ

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ
قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا
بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ
الْقُلُوْبُ

(سورہ رعد:29)

ترجمہ: (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سنو! اللہ ہی کے ذکر سے دل اطمینان پکڑتے ہیں۔

(اردو ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حدیث نبوی ﷺ

ذکر الٰہی کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَ الْمَیِّتِ. وَرَوَاہُ مُسْلِمٌ فَقَالَ مَثَلُ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ وَالْبَیْتِ الَّذِیْ لَایُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ.

(بخاری کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللّٰہ تعالٰی۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ و جوازھا فی المسجد)

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکرِ الٰہی نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مُردہ کی طرح ہے یعنی جو ذکرِ الٰہی کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو نہیں کرتا وہ مُردہ ہے۔

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوتا، ان کی مثال زندہ اور مُردہ کی طرح ہے۔

<u>عربی منظوم کلام</u>

اِذَا قَلَّ دِیْنُ الْمَرءِ قَلَّ اتِّقَاءُہٗ

اِذَا قَلَّ دِیْنُ الْمَرْءِ قَلَّ اتِّقَاءُہٗ
وَیَسْعٰی اِلٰی طُرُقِ الشَّقَا وَیُزَوِّرُ

جب انسان کی دینداری کم ہوجائے تو اس کا تقویٰ بھی کم ہوجاتا ہے اور وہ بدبختی کی راہوں کی طرف دوڑنے لگتا اور فریب سے کام لیتا ہے۔

وَمَنْ ظَنَّ ظَنَّ السَّوْءِ بُخْلاً فَقَدْ ھَوٰی
وَکُلُّ حَسُوْدٍ عِنْدَ ظَنٍّ یُّتَبَّرُ

اور جس نے بخل کی وجہ سے بدظنی کی تو وہ نیچے گر گیا اور بہت حسد کرنے والا ہر شخص بدظنی کرنے پر ہلاک کیا جاتا ہے

وَلَا یَعْلَمَنْ اَنَّ الْمَنَایَا قَرِیْبَۃٌ
اِذَا مَاتَجِیْءُ الْوَقْتُ فَالْمَوْتُ یَحْضُرُ

اور وہ نہیں جانتا کہ موتیں تو قریب ہیں اور جب وقت آ جاتا ہے تو موت حاضر ہو جاتی ہے۔

وَھَلْ نَافِعٌ وِرْدُ التَّنَدُّمِ بَعْدَ مَا
دَنَا وَقْتُ قَارِعَۃٍ وَّجَاءَ الْمُقَدَّرُ

اور کیا ندامت کا وظیفہ نفع دے سکتا ہے بعد اس کے کہ موت کا وقت قریب ہو اور امرِ مقدر آ جائے

اَلَا اَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا وَقْتَ مَوْتِکُمْ
فَلَا تُلْھِکُمْ غُوْلٌ خَبِیْثٌ مُّخَسِّرُ

اے لوگو! اپنی موت کے وقت کو یاد کرو پس تمہیں خبیث نقصان رساں دیو غافل نہ کر دے

(القصائد الاحمدیہ مترجم صفحہ 130-131)

فارسی منظوم کلام

ثنا ہا گویمت اے گلشنِ یار

سخن نزدم مراں از شہریارے

کہ ہستم بردرے اُمید وارے

میرے سامنے کسی بادشاہ کا ذکر نہ کر کیونکہ میں تو ایک اور دروازہ پر امیدوار پڑا ہوں

خداوند یکہ جاں بخش جہان ست

بدیع و خالق و پروردگارے

وہ خدا جو دنیا کو زندگی بخشنے والا ہے اور بدیع اور خالق اور پروردگار ہے

کریم و قادر و مشکل کشائے

رحیم و محسن و حاجت برارے

کریم و قادر ہے اور مشکل کشا ہے رحیم ہے، محسن ہے اور حاجت روا ہے

فتادم بردرش زیر انکہ گویند

برآید در جہاں کارے ز کارے

میں اس کے دروازہ پر آ پڑا ہوں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دنیا میں ایک کام میں سے دوسرا کام نکل آتا ہے

ثنا ہا گویمت اے گلشنِ یار

کہ فارغ کردی از باغ و بہارے

اے یار کے گلزار تیرے کیا کہنے، تونے تو مجھے دُنیا کے باغ و بہار سے بے پروا کر دیا

(''حجۃ اللہ'' روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 149)

اردو منظوم کلام

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

جو خاک میں مِلے اُسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے! یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وُہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں
جب مر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے
دِلبر کی مرنے والوں پہ ہر دَم نگاہ ہے

ناپاک زِندگی ہے جو دُوری میں کٹ گئی
دیوار زُہدِ خشک کی آخر کو پَھٹ گئی

وُہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہر دم اَسیر نخوت و کِبر و غُرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کِبر و غرور و بُخل کی عادت کو چھوڑ دو

اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اُس یار کے لئے رہِ عِشرت کو چھوڑ دو

(درثمین اردو صفحہ 112 مطبوعہ رقیم پریس لنڈن)

کلام الامام

صحبت صادقین

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اس پر دل و جان سے قائم ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اس کے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے۔ پس اِن معنوں کر کے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کو اِسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا...... دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔

علاوہ اس کے مشاہدہ صاف بتلا رہا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے لاپرواہ ہو کر عمر گذارتے ہیں اُن کے علوم وفنون جسمانی جذبات سے اُن کو ہرگز صاف نہیں کر سکتے اور کم سے کم اتنا ہی مرتبہ (دین حق) کا کہ دلی یقین اس بات پر ہو کہ خدا ہے اُن کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور جس طرح وہ اپنی اس دولت پر یقین رکھتے ہیں جو اُن کے صندوقوں میں بند ہو یا اپنے ان مکانات پر جو ان کے قبضہ میں ہوں ہرگز ان کو ایسا یقین خدا تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔ وہ سم الفار کھانے سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایک زہر مہلک ہے لیکن گناہوں کی زہر سے نہیں ڈرتے۔''

(''شہادۃ القرآن'' روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 347)

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ

(تحریر: مکرم سعد محمود باجوہ صاحب مربی سلسلہ)

تاریخ حفاظت وجمع قرآن کے ضمن میں نمایاں صحابہؓ کے حالات وواقعات کے بیان میں گزشتہ مضمون مطبوعہ شمارہ اگست ۲۰۰۶ء میں حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق بیان کیا گیا تھا کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپکو کتابت قرآن اور پھر خلافتِ اُولیٰ میں قرآن کریم جمع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعد ازاں خلافت عثمانیؓ میں بھی آپؓ ہی کو "المصحف الامام" تیار کرنے کی توفیق ملی جسکو آپ نے احسن رنگ میں مکمل کیا اور حفاظتِ قرآن کے عظیم الشان اعجازی وعدہ کے سلسلہ کی ابتدائی کڑی ٹھہرے۔ ہمارا یہ مضمون اسی سلسلہ میں حضرت حذیفۃ بن الیمانؓ کے حالات، واقعات، فضائل اور اس خدمتِ قرآن پر مشتمل ہے جو آپکی تحریک پر کی گئی۔ اس تجویز سے آپ حفاظتِ قرآن وجمعِ قرآن کے وعدہ کی تکمیل کے دوسرے مرحلے کی بنیادی کڑی ٹھہرے۔

تعارف، فضائل وخدمات: آپکو حذیفہ بن الیمان کہا جاتا ہے۔ آپکا ابتدائی نام حُسیل یا حسل بن جابر العبسی تھا۔ حسیل یا حسل بن جابر بن اُسید بن عمرو بن مالک۔ کہا جاتا ہے کہ یمان لقب ہے جبکہ معرفۃ الصحابہ میں ہے کہ آپکو یمان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ یمان بن جروۃ بن الحارث بن قطیعۃ بن عبس العبسی کی اولاد میں سے ہیں۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ حذیفۃ بن حَسْل و یُقَالُ حُسیل بن جابر بن عمرو بن ربیعۃ بن جروۃ بن الحارث بن مازن بن قطیعۃ بن عبس العبسی القطیعی من بنی عبس۔ بنوغطفان کے عبس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا۔

انصار کے قبیلہ بنی عبد الاشہل کے حلیف تھے۔ کنیت ابو عبد اللہ تھی جبکہ بعض روایات میں ابو سریحہ بھی آتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپکو یمان اس وجہ سے بھی کہا گیا ہے کہ آپ سے اپنی قوم کے کسی فرد کا خون ہوا تو آپ مدینہ بھاگ آئے اور بنی عبد الاشہل کے حلیف بن گئے۔ جس پر آپکی قوم نے آپ کو یمان کہا کیونکہ آپ نے یمانی لوگوں کو حلیف بنالیا تھا۔ آپکے حوالہ سے ایک نسبت "اَلْحُذَیْفِیْ" معروف ہے جو اس طرح ہے: ھو ابراھیم بن عثمان بن مسلم بن مسعود بن مسلم بن ربیعۃ بن حذیفۃ بن الیمان العبسی الحذیفی البغدادی۔

آپکی والدہ الرباب بنت کعب بن عدی بن عبد الاشہل تھیں جو انصار کے قبیلہ اوس سے تھیں۔ آپکے والد بھی اسلام لائے تھے اور جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ اس حوالہ سے یہ روایت ملتی ہے کہ آپ کے والد حسیل، چچا صفوان اور آپ جنگِ اُحد میں شامل ہوئے۔ ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے آپ کے والد کو ایک دوسرے بزرگ حضرت رفاعہ انصاریؓ کے ساتھ لڑائی

کے آغاز میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ اُونچے ٹیلے پر بھیج دیا گیا۔مگر ہنگامہ کے دوران وہ لڑائی میں شامل ہو گئے تو انکو بعض مسلمانوں نے مخالف فریق کا سمجھتے ہوئے گھیر لیا۔آپ نے دیکھا تو پکارے کہ یہ تو میرے والد ہیں ،یہ تو میرے والد ہیں۔لیکن کسی کو آپکی بات سمجھ نہ آئی اور مسلمانوں نے انکو شہید کر دیا۔اس پر آپ نے فرمایا: **یغفر اللّٰہ لکم و ھو ارحم الراحمین** یعنی اللہ تم سب کی مغفرت کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔آپ نے اپنے والد کا خون اور دیت مسلمانوں کو معاف کر دی۔جب آنحضور ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت سراہا۔آپ نے بعد ازاں نصیبین میں سکونت اختیار کی تھی اور وہیں نکاح کر لیا۔آپکے دو بیٹے صفوان اور سعید جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔اُنہوں نے آپکی وصیت پر حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی۔ایک بیٹے کا نام سعید بن حذیفہ تھا جبکہ ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے جنکا نام امیہ بنت حذیفہ اور کنیت امّ سلمہ تھی۔

حضرت حذیفہؓ کبار صحابہ میں سے تھے۔آپکے مناقب بھی نہایت معروف تھے۔فقر و فاقہ محبوب تھا۔علوم قرآن وحدیث اور فقہ میں فضیلت رکھتے تھے۔عہد نبوی ﷺ کے حفاظ قرآن میں سے تھے۔سو سے زائد احادیث مروی ہیں۔سلطنت کے امور سے جب فرصت ملتی آپؓ درسِ حدیث دیا کرتے تھے جس حوالہ سے یہ الفاظ ملتے ہیں کہ: ''**فاذا فیہ حلقة کأن قطعت رؤوسھم . یستمعون الی حدیث رجل**''(مسند احمد۔مسند الانصار حدیث حذیفہ بن الیمان)۔یعنی ''وہاں لوگ ایک حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔اور توجہ کا عالم یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انکے سروں کو کاٹ دیا گیا ہو اور وہ حرکت نہ کر سکتے ہوں۔وہ ایک صاحب کا درس سن رہے تھے''۔ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے آپکے متعلق فرمایا: ''**غفر اللّٰہ لک یا حذیفة و لأمک**''۔کہ ''اے حذیفہ اللہ نے تجھے بخش دیا اور تیری والدہ کو بھی''۔

آپکی بیٹی کا قول ہے کہ میں نے آپکی انگوٹھی دیکھی تھی جس پر **الحمد للّٰہ** لکھا ہوا تھا۔حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت آپ انکے زخمی جسم کے پاس آئے اور کہا کہ: **اللّٰھم انی أبرأ الیک من دم عثمان** کہ ''اے اللہ میں عثمان کے خون سے تیری بریت میں آتا ہوں''۔آپکا ایک قول ہے کہ **خیرنی رسول اللّٰہ ﷺ بین الھجرة والنصرة فاخترت النُّصْرَة**۔کہ ''آنحضور ﷺ نے مجھے ہجرت اور نصرت میں اختیار دیا تو میں نے نصرت کو چنا''۔آپ کا یہ طریق تھا کہ آنحضور ﷺ سے شر کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔آپ خود بیان کرتے ہیں کہ لوگ آنحضور ﷺ سے خیر کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور میں شر کے متعلق۔جب ان سے پوچھا گیا کہ کیوں تو آپ نے بتایا کہ **انہ من عرف بالشرّ وقع فی الخیر**۔یعنی ''جس کو شر کا علم ہو گیا تو وہ ہمیشہ خیر کو ہی اختیار کرے گا''۔

آپؓ سے کتب احادیث میں متعدد روایات مذکور ہیں۔آپؓ نے **عفان بن مسلم ، سلمان بن حرب ، ابو الولید ، موسیٰ بن اسماعیل ، محمد بن کثیر ، سعید بن سلمان ، ابراھیم بن منذر ، عمرو بن مرزوق**

سے روایات بیان کی ہیں۔ نیز آپؓ سے بھی متعدد احباب نے احادیث روایت کی ہیں۔ جن میں احمد بن محمد بن اوس الحقری، حسن بن علی بن ابو الحسناء، المغیرۃ ابو الولید، ابو الوائل، ہمام بن حارث، زید بن وھب، ربعی بن خراش، صلۃ بن زفیر، ابو الطفیل، ابو الادریس الخولانی، ابو السلام ممتور، ابو حلیفۃ الارجی، عبد اللّٰہ بن علیم، عبد الرحمن بن ابی لیلہ، عبد اللّٰہ بن یزید، جندب بن عبد اللّٰہ، جابر بن عبد اللّٰہ، عبد اللّٰہ بن یزید الخطمی، حصن بن جندب، ابو ظبیان، یزید بن شریک نے کتاب الایمان، صلوٰۃ، فضائل، جہاد، نفاق، متن کے حوالہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان احباب کی تعداد ۶۴ بتائی جاتی ہے۔

آنحضور ﷺ اور ایفاء عہد: آپ اور آپ کے والد جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ اس روایت کو آپ نے خود بیان کیا ہے کہ میں جنگ بدر میں شامل نہیں ہو سکا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ میں اور میرے والد کسی کام سے نکلے تو قریش نے ہمیں پکڑ لیا اور کہا کہ تم لوگ محمد (ﷺ) کا ساتھ دینے کیلئے جانا چاہتے ہو۔ ہم نے کہا ہم تو صرف مدینہ جا رہے ہیں۔ اس پر انھوں نے ہم سے عہد لیا کہ ہم مدینہ تو چلے جائیں مگر حضور ﷺ کے ساتھ جنگ میں شامل نہ ہونگے۔ پس ہم حضور ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سارا ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا کہ ان سے عہد کی خلاف ورزی سے بچنے کیلئے تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ اور دعا کرو۔ اور ہم تو ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔

حضرت حذیفہ کی خدمات: جنگ احد میں شامل ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا عامل مقرر فرمایا۔ جنگ خندق میں آنحضور ﷺ نے آپ کو تن تنہا کفار کی خبر لانے کو بھیجا۔ آپ کا قول ہے کہ "بعثنی رسول اللّٰہ لیلۃ الاحزاب سریۃً وحدی" (مسند احمد) کہ "جنگ احزاب میں آنحضور ﷺ نے مجھ اکیلے کو دشمن کی خبر لانے کو بھیجا"۔ اور آپ ان کے متعلق معلومات حاصل کر کے آئے۔

خیبر، بیعت رضوان، فتح مکہ و دیگر غزوات میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں آپ کی رہائش کوفہ میں رہی۔ ۱۸ ہجری میں لشکر کشی کے وقت حضرت عمر کے ارشاد پر کوفہ سے منتخب لشکر لے کر نکلے اور ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ جنگ نہاوند میں شامل ہوئے۔ جب نعمان بن مقرن شہید ہوئے تو آپ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آپ کی قیادت میں ۲۲ ہجری میں ہمدان، رَی اور دینور فتح ہوئے۔ جنگ نہاوند کے بعد آپ نے آذربائیجان پر لشکر کشی کی اور ایک سخت لڑائی کے بعد اس کو فتح کیا۔ بعد ازاں موقان اور جیدان کو فتح کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی آپ کو مدائن کا گورنر مقرر فرمایا۔ ۳۰ ہجری میں خراسان جانے والے لشکر میں شامل ہوئے۔ خراسان کی فتح کے بعد آرمیتیا کے معرکہ میں حصہ لیا۔ پھر خلافت عثمانیہ میں ہی مدائن کی ولایت پر واپس آگئے۔ حضرت علیؓ کی آپ نے بیعت کی۔ جنگ جمل میں آپ شامل نہ ہو سکے۔

عموی طور پر صحابہ میں "صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ" یعنی "رسول اللہ ﷺ کا رازدان" کے نام سے جانے جاتے تھے۔ صحیح مسلم میں آپ کے حوالہ سے یہ قول مندرج ہے کہ " ان رسول اللہ اعلمہ بما کان و ما یکون الیٰ ان تقوم السّاعۃ " کہ "آنحضور ﷺ نے انہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو قیامت تک ہونے والا ہے اس سے آگاہ فرمایا"۔ نیز انکی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اعلمہ رسول اللہ ﷺ المنافقین باسمائھم و اعیانھم۔ کہ "آپ ﷺ نے انہیں منافقین کے نام اور انکے ساتھیوں کا بتایا"۔ صحیح مسلم میں آپ کا قول درج ہے کہ "لقد حدّثنی رسول اللہ بما یکون حتّی تقوم السّاعۃ غیر انّی لم اسئلہ ما یخرج اھل المدینۃ منھا (مسلم کتاب الفتن و اشراتھا باب اخبار النبی فیما یکون الی قیام السّاعۃ) "۔ کہ "آنحضرت ﷺ نے مجھے جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس سے آگاہ فرمایا ہے۔ ماسوائے اسکے کہ میں نے آپ ﷺ سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا بات اہل مدینہ کو اس سے نکلنے پر مجبور کرے گی"۔ حضرت علیؓ سے آپ کے متعلق جب پوچھا گیا تو آپ نے بتایا کہ انھوں نے منافقین کے اسماء پوچھے اور آپ کو بتائے گئے۔

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے اصحاب سے کہا کہ اپنی اپنی خواہش بیان کرو۔ لوگوں نے خواہش کی کہ وہ مکان جواہرات سے بھر جائے جن کو وہ خدا کی راہ میں خرچ کردیں مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ابوعبیدہ، معاذ بن جبل، حذیفہ بن الیمان جیسے لوگوں کی خواہش رکھتا ہوں تا کہ میں ان کو خدا کی راہ میں استعمال کروں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کچھ مال حضرت ابو عبیدہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ تو انھوں نے اس مال کو تقسیم کردیا۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں قبل ازیں بتادیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا طریق تھا کہ جب کسی عامل کو مقرر فرماتے تو اس کے پروانے میں لکھ دیتے کہ میں نے فلاں شخص کو مقرر کیا ہے اور اس کو یہ ہدایات دی ہیں۔ مگر جب آپ نے حضرت حذیفہ کو مدائن کا حاکم مقرر فرمایا تو ان کے پروانے میں لکھا کہ "اے لوگو! ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو اور جو کچھ یہ مانگیں ان کو دو"۔ جب آپ مدائن پہنچے تو وہاں کے سرداروں نے آپ کا استقبال کیا۔ جب آپ نے اپنا پروانہ پڑھا تو انھوں نے کہا کہ آپ جو چاہیں مانگیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب تک یہاں رہوں تب تک کیلئے میں تم سے صرف اپنے کھانے پینے کا انتظام اور اپنے گدھے کا چارہ مانگتا ہوں۔ پھر آپ وہاں مقیم رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کو واپس بلالیا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو راستہ میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ان کو اسی حال میں دیکھا جس حال وہ ان کے پاس سے گئے تھے۔ ان کے پاس گئے اور سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔

مدائن پر عامل مقرر کرنے اور پروانہ لکھنے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے اہل مدائن کو کہا کہ میں نے فلاں کو

تمہارا حاکم مقرر کیا ہے اس کی اطاعت کرنا۔ اس پر وہ حیران ہوئے اور سوچا کہ شائد یہ کوئی بڑا آدمی ہے۔ پس وہ لوگ سوار ہو کر نکلے کہ ان سے ملیں تو انھوں نے آپ کو ایک خچر پر سوار پایا جس پر انھوں نے اپنی زین رکھی ہوئی تھی اور دونوں ٹانگیں ایک طرف کئے بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور نظر انداز کر دیا۔ راستہ میں کچھ لوگوں سے ملے اور پوچھا کہ امیر کہاں ہے تو ان لوگوں نے کہا وہی جن سے تم رستہ میں ملے تھے۔ اس پر وہ لوگ واپس پلٹے اور آپؓ سے آ کے ملے۔ آپ کے ہاتھ میں کچھ چیز تھی جسے وہ کھا رہے تھے ان لوگوں نے آ کر آپکو سلام کیا۔

بہر حال ان متفرق واقعات سے آپ کے مقام، مرتبہ، مزاج، اخلاق اور خلفائے راشدین کی آپ سے محبت' شفقت اور اعتماد صاف ظاہر ہے۔

منتخب روایات: آپ سے مروی چند روایات باعتبار تاریخ قرآن کریم مسند احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث حذیفة بن الیمانؓ جلد ۶ صفحہ ۵۲۷ تا ۵۶۶ سے پیش ہیں:۔

۱۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ "صلیت مع النبی ﷺ ذات لیلةٍ قال: فافتتح البقرة فقرأ حتّی بلغ رأس المائة: فقلت یرکع، ثمّ مضی حتی بلغ المائتین فقلت: یرکع، ثمّ مضی حتی ختمها قال: قلت: یرکع قال: ثمّ افتتح سورة آل عمران حتی ختمها قال: قلت: یرکع، قال ثمّ افتتح سورة النسآء فقرأها قال ثمّ رکع ..... قال: کان اذا مرّ بآیة رحمة سأل و اذا مرّ بآیة فیها عذاب تعوذ و اذا مرّ بآیة فیها تنزیه للّٰه عز و جل سبّح." (۵۳۱)

یعنی "ایک رات میں نے آنحضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے سورة بقرة شروع فرمائی اور سو آیات پڑھیں، تو میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اب رکوع فرمائیں گے۔ آپ ﷺ مزید پڑھتے رہے اور دوسو آیات پڑھیں، پھر میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اب رکوع فرمائیں گے۔ آپ ﷺ پڑھتے رہے اور سورة بقرة کو ختم کیا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ اب آپ ﷺ رکوع فرمائیں گے لیکن آپ ﷺ نے سورة آل عمران شروع فرمائی اور اسے ختم کیا، میں نے سوچا کہ اب آپ ﷺ رکوع فرمائیں گے لیکن آپ ﷺ نے سورة النساء کو شروع فرمایا اور اسے ختم کیا۔ پھر رکوع فرمایا۔۔۔۔۔ جب بھی آپ ﷺ کسی ایسی آیت پڑھتے جس میں رحمت کا ذکر ہوتا تو اسے مانگتے، اور جب ایسی آیت پڑھتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو اس سے پناہ مانگتے، اور جب ایسی آیت پڑھتے جس میں خدا تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر ہوتا تو خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتے"۔

۲۔ ایک روایت میں ہے "انّه صلّ مع رسول اللّٰه من اللیل فلمّا دخل فی الصلوٰة .... ثمّ قرأ البقرة .... قال حتی قرأ البقرة و آل عمران و النّسآء و المائدة و الانعام"۔

یعنی ’’آپؓ نے ایک دفعہ آنحضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔آپ ﷺ نے نماز شروع کی۔۔۔۔۔سورۃ بقرۃ شروع کی۔۔۔۔۔یہاں تک کہ البقرۃ، آل عمران، النساء، المائدہ اور الانعام پڑھیں‘‘۔

۳۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ ’’قمت مع رسول اللّٰہ ذات لیلة فقرء السبع الطوال فی سبع رکعات و کان اذا رفع رأسه من الرکوع قال سمع اللّٰہ لمن حمده ثمّ قال الحمد للّٰه ذی الملکوت و الجبروت والکبریاء و العظمة و کان رکوعه مثل قیامه وسجدته مثل رکوعه فانصرف و قد کادت تنکسر رجلای‘‘ (۵۳۲)

کہ ’’میں ایک رات آنحضور ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہوا اور آپ ﷺ نے سات رکعات میں سبعِ طول پڑھیں۔جب آپ ﷺ رکوع کے بعد کھڑے ہوتے تو فرماتے سمع اللّٰہ لمن حمدهٗ۔پھر فرماتے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ بادشاہت والا، بڑائی والا، عظمت والا ہے اور آپ ﷺ کا رکوع آپ ﷺ کے قیام کے برابر اور آپ ﷺ کے سجدے آپ ﷺ کے رکوع جیسے تھے۔آپ ﷺ نے نماز ختم کی اور میری ٹانگیں ٹوٹنے کے قریب تھیں‘‘۔

۴۔آپ روایت کرتے ہیں کہ ’’کنا عند النبی ﷺ جلوساً فقال انّی لا ادری ماقدر بقائی منکم فاقتدوا بالذین من بعدی و اشار الی بکر و عمر و تمسکوا بعهد عمار و ما حدثکم ابن مسعود فصدقوه۔‘‘(۵۳۳)

کہ ’’ہم آنحضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تم میں کتنے دیر رہوں۔پس تم میرے بعد ان دونوں کی پیروی کرنا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا، عمار کے عہد کی پاسداری کرنا، اور ابن مسعودؓ جو بیان کریں اسکے تصدیق کرنا‘‘۔

۵۔آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا’’ لقیت جبریل علیه السلام عند احجار المراء . فقال یا جبریل انی ارسلت الی أمة أمیة ، الرجل و المرأة الغلام و الجاریة و الشیخ الفانی الذی لا یقرأ کتاباً قط۔قال : انّ القرآن أنزل علی سبعة احرفٍ‘‘۔

کہ ’’آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ جبرائیل سے احجار المراء کے مقام پر ملا۔آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ اے جبرائیل! میں ایک امی قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں، جس میں عام آدمی عورتیں، غلام اور لونڈیاں، بوڑھے ہیں جنہوں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا۔اس پر جبرائیلؑ نے کہا کہ یقیناً قرآن سبعة احرف پر اتارا گیا ہے‘‘‘‘۔

۶۔آپ بیان کرتے ہیں’’لقی النبی ﷺ جبریل علیه السلام و هو عند احجار المراء فقال انّ امّتک یقرؤون القرآن علیٰ سبعة أحرف فمن قرء منهم علی حرف فالیقرء کما علّم ولا یرجع منه۔‘‘

کہ "جبرائیل آنحضور ﷺ سے احجار المراء میں ملے اور کہا کہ آپ ﷺ کی امت سبعة احرف پر قرآن پڑھتی ہے۔ پر جو جس حرف کے مطابق پڑھ رہا ہے اسی کے مطابق پڑھے جیسے وہ سکھایا گیا ہے اور اس کو نہ چھوڑے"۔

۷۔اسی روایت میں یہ قول ان الفاظ سے مذکور ہے: "ان من أمتک الضعیف فمن قرأ علی حرف فلا یتحول منهٗ الی غیرہٖ رغبة منه"۔ (۵۳۲)

کہ "آپ ﷺ کی امت میں ضعیف لوگ بھی ہیں پس جو جس قرأت کے مطابق پڑھتا ہو اسی کے مطابق پڑھے اور کسی دوسری قرأت کو اس میں رغبت کے باوجود نہ اپنائے"۔

منتخب اقوال: کتبِ تاریخ میں آپ کے مختلف اقوال مندرج ہیں۔جن میں سے چند پیش ہیں:

○خلوا عنّا فانا لکم ثقة ثمّ خلوا عن الذین یأخذون عنّا فانا لکم ثقة و لا تأخذوا عن الذین یلونهم لأنهم یأخذون حُلو الحدیث ویدعون مرهٗ و لا یصلح حلوهٗ الا بمرہٖ۔

کہ ہم سے سیکھو کیونکہ ہم تمہارے لئے ثقہ ہیں اور ان لوگوں سے سیکھو جو ہمارے بعد ہیں کیونکہ ہم تمہارے لئے ثقہ ہیں لیکن ان لوگوں سے نہ سیکھو جو انکے بعد ہوں کیونکہ وہ یا تو ان کا نرم یا میٹھا حصہ تو لے لیتے ہیں لیکن اسکے کڑوے یا سخت حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ انکا نرم یا میٹھا حصہ انکے سخت یا کڑوے حصہ کے بغیر درست نہیں ہے۔

○ ان الحق ثقیل و هو مع ثقلهٖ مریٔ و انّ الباطل خفیف و هو مع خفتهٖ وبیٔ و ترک الخطیئة ایسر او خیر من لب التوبة و رب شهوة ساعة اورثت حزنا طویلا۔

کہ حق مشکل تو ہے لیکن وہ اپنے مشکل ہونے کے ساتھ میٹھا بھی ہے۔اور باطل آسان تو ہے لیکن وہ اپنی آسانی کے ساتھ ہلاکت باعث بھی ہے۔اور بدی کو ترک کرنا زیادہ آسان ہے یا زیادہ بہتر ہے بعد میں توبہ کرنے سے۔اور ایک لمحے کی شہوت بہت طویل حزن کو پیدا کرتی ہے۔

o لیس خیارکم من ترک الدنیا للآخرة و لا خیارکم من ترک الآخرة للدنیا و لکن خیارکم من أخذ من کل۔

کہ تم میں سے بہتر وہ نہیں جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑے اور نہ ہی تم میں سے بہترین وہ ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑے بلکہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو دونوں میں سے حصہ لے۔

وفات: آپکی وفات ۳۶ھ کے اوائل میں ہوئی۔اس حوالہ سے مختلف روایات ہیں۔ابن نافع کا قول ہے کہ 36ھ میں وفات ہوئی اور شہادتِ عثمانؓ سے قبل وفات ہوئی۔"الصحابة" میں درج ہے کہ شہادتِ عثمان کے ۴۰ دن بعد آپکی وفات ۳۵ھ میں ہوئی۔جبکہ ابوجعفر نے اس پر نوٹ دیا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔حضرت عثمانؓ کی شہادت ذوالحجہ میں ہوئی جبکہ

اسکے صرف ۱۲ دن باقی تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپکی وفات ۳۶ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ "مات حذیفة فی اول خلافة علیّ سنة ست و ثلاثین"۔ الاستیعاب میں بھی ہے کہ ۳۶ھ میں اوائل خلافت علیؓ میں وفات ہوئی۔

روایات میں آتا ہے بمطابق اسد الغابہ کہ جب آپ پر موت کی کیفیت طاری ہوئی تو آپؓ نے بہت روئے۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہیں۔ تو فرمایا کہ میں دنیا کو چھوڑنے پر نہیں رو رہا بلکہ مجھے موت زیادہ محبوب ہے مگر میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ میں خدا کی رضا کی طرف جا رہا ہوں یا خدا کی ناراضگی کی طرف۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپکی موت بالکل قریب آگئی تو انہوں نے کہا کہ یہ دنیاوی زندگی کی آخری گھڑی ہے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں پس تو مجھے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب آپکا آخری وقت آیا تو فرمایا:

حبیب جاء علی فا قة. لا أ فلح من ندم. الحمد للّٰہ الذی سبق بی الفتنة قادتها و علو جها

یعنی "دوست میرے پاس فاقہ کی حالت میں آیا ہے۔ جو نادم ہوا اس نے فلاح نہ پائی۔ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہر قسم کے فتنوں کو مجھ سے دور رکھا"۔

ایک روایت میں آپکا یہ قول اس طرح ملتا ہے:

لو لا أنی أری أنّ هذه الیوم اخر یوم من الدنیا و اوّل یوم من الآخرة لم أتکلم به. اللّٰهم انک تعلم أنّی کنت احب الفقر علی الغنی واحب الذلة علی العز و أحب الموت علی الحیاة. حبیب جا ء علی فاقة. لا أفلح من ندم. ثم مات.

یعنی "اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ یہ میرا دنیا میں آخری دن اور آخرت میں پہلا دن ہے تو میں اس میں یہ کلام نہ کرتا۔ اے میرے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں امیری پر فقر کو ترجیح دیتا تھا، اور عزت پر ذلت کو پسند کرتا تھا، اور زندگی سے زیادہ موت کو محبوب رکھتا تھا۔ دوست میرے پاس فاقہ کی حالت میں آیا ہے۔ نہ کامیاب ہوا جو نادم ہوا۔ پھر آپ فوت ہوگئے"۔

حفص بن غیاث کا قول ہے کہ میں نے ابوحذیفہؒ کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا:

أی الآراء وجدت أفضل أو أحسن ؟

کہ "آپ نے کس کی رائے کو افضل پایا؟"

تو آپ نے فرمایا کہ: نعم الرأي رأي عبد اللّٰہ و وجدت حذیفة بن الیمان شحیحا علی دینه.

یعنی "آراء میں سے بہترین رائے عبداللہ کی ہے اور میں نے حذیفہ بن الیمان کو اپنے دین پر بہت حریص پایا"۔

بقول بغوی مدائن میں آپکی وفات ہوئی۔ آپ کو حضرت سلمان فارسیؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حفاظتِ قرآن کے سلسلہ میں آپکی تجویز: مضمون کی ابتداء میں آپکی جس تحریک کا تذکرہ ہوا اسکا ذکر امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ، کتاب فضائل القرآن ، باب جمع القرآن میں تفصیل سے درج کیا ہے۔آپؓ آذربائیجان یا آرمینیہ کی فتح سے واپس آئے تو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ مختلف قرائتوں کو ختم کر کے قرآن کریم کو ایک قرأت پر جمع کیا جائے۔بعد ازاں اسکی نقول تمام علاقوں میں بھجوائی گئیں۔اس تاریخی واقعہ کا مختصر جائزہ منتخب پہلوؤں سے پیش ہے:

آذربائیجان۔ایک تعارف: آذربائیجان مغربی ایران کا انتہائی شمالی علاقہ ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا صوبہ مشرقی اور مغربی۔پارسی مذہب کے بانی حضرت زرتشت اسی علاقہ میں پیدا ہوئے تھے۔اسکندر اعظم نے بھی اسکو فتح کیا۔642ء (21ھ) میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔زیادہ تر آبادی ایرانی النسل ہے لیکن ترکی ثقافت کے آثار زیادہ ہیں۔1603ء میں ایران نے قبضہ کرلیا۔17ویں تا 19ویں صدی تک شاہانِ ایران اس پر حکمران رہے۔پھر 1813ء میں گلستان معاہدہ اور ترکمانچی معاہدہ کے ذریعہ روس نے اسکا کچھ حصہ حاصل کرلیا۔اور 1991ء میں آذربائیجان کی حکومت نے سوویت یونین کے صدر گورباچوف کے خلاف بغاوت کردی۔اور اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔اب یہ اقوامِ متحدہ کا رکن ہے۔نیز اس ملک کا زیادہ تر حصہ کوہ قاف اور تاش پہاڑوں پر مشتمل ہے۔مغربی صوبہ کا صدر مقام ارومیہ ہے اور مشرقی صوبہ کا صدر مقام تبریز ہے۔اس طرح ایک صوبہ اب آزاد خود مختار ریاست ہے اور ایک حصہ ایران میں شامل ہے۔اور ایرانی آذربائیجان کو دریائے ارس خود مختار آذربائیجان سے علیحدہ کرتا ہے۔

جبکہ آرمینیہ سابقہ روس کا ایک چھوٹا سا آزاد کردہ ملک ہے جو کہ آذربائیجان کے شمال اور جارجیا کے جنوب میں واقع ہے۔

فتح آرمینیہ اور آذربائیجان میں شرکت: آپکی فتح آرمینیہ اور آذربائیجان میں شرکت کی تفصیلات خلاصۃً تاریخ ابن خلدون سے پیش ہیں:

بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے مصر پر فوج کشی کی اجازت دی۔ اسی لشکر نے بعد ازاں اسکندریہ فتح کیا۔اس دوران یزدگرد نے جو کہ فتح جلولاء کے بعد فرار ہوگیا تھا' خراسان میں مرو کے مقام پر آتش کدہ بنایا اور وہاں رہنے لگا۔مصر کے قرب وجوار کے لوگوں نے اس سے مسلمانوں کے خلاف مدد مانگی۔اس نے ایک لشکر ترکیب دینا شروع کیا اور ملوک باب، حلوان، طبرستان، جرجان، خراسان، اصفہان، ہمدان وغیرہ سے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر تیار کیا۔دریں اثناء حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرنؓ کو امیر مقرر کیا جو کہ اس وقت کوفہ میں مقیم تھے۔نیز عبداللہ بن عتبان کو

فرمان بھیجا جو کہ اس وقت کوفہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے نائب تھے کہ لوگوں کو نعمان کے ہمراہ روانہ کردو۔ چنانچہ آپ نے نعمان بن مقرنؓ اور حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ کے ہمراہ ایک لشکر ترتیب دے کر روانہ کردیا اور ناکہ بندی کا حکم بھی دیا۔ اس طرح حضرت حذیفہؓ خراسان روانہ ہوئے۔ نہاوند کی فتح کے بعد حضرت حذیفہؓ امیر لشکر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں آپ کے ہاتھوں آذربائیجان فتح ہوا۔ ۳۰ھ میں آپ جنگ رے سے باب کی لڑائی کے بعد عبدالرحمان بن ربیعہ کی طرف کمک لے کر گئے اور انکی وفات کے بعد واپس آئے۔

آپکی تجویز کا پسِ منظر، دربار خلافت سے منظوری اور عمل درآمد: آپ نے باب سے واپس آکر سعید بن العاصؓ سے بیان کیا کہ میں نے اس سفر میں یہ عجیب ماجرہ دیکھا کہ ایک شہر والے دوسرے شہر والوں سے قرآن کی قرأت میں اختلاف کرتے ہیں۔ اہل حمص کہتے ہیں کہ ہم قرآن کریم کو دوسرے اور علاقوں کی نسبت زیادہ بہتر تجوید سے پڑھتے ہیں، ہم نے قرآن کی تعلیم مقدادؓ سے حاصل کی ہے۔ اہل دمشق کو بھی اسی قسم کا دعویٰ ہے۔ اہل بصرہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن کی تعلیم ابن مسعودؓ سے پائی ہے۔ ہماری قرأت زیادہ بہتر ہے۔ میرے نزدیک قرآن کریم ایک قرأت پر جمع کردیا جائے ورنہ اگر یہ ہی حالت قائم رہی تو سخت اختلاف برپا ہوجائے گا۔ وہاں موجود صحابہؓ اور تابعین نے آپکی رائے سے اتفاق کیا۔ جبکہ حضرت ابن مسعودؓ نے اختلاف کیا۔ حضرت حذیفہؓ اس مجلس سے نکل کر مدینہ آئے اور امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ سے مصحف صدیقیؓ منگوایا، قریش کی قرأت پر اسکی نقول تیار کروائیں اور بلاد اسلامیہ میں بھجوادیں۔

حضرت عثمانؓ کا فیصلہ اور اسکی حکمت: گزشتہ مضمون میں ہم ذکر کرچکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں قرآن کریم کو تحریر کروایا۔ حضرت زیدؓ نے آپ ﷺ کے لکھوائے ہوئے قرآن مجید کو خلیفۃ المسلمینؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ارشاد پر کمال دیانتداری، محنت، جانفشانی سے ایک جلد کی شکل میں جمع کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس نسخہ کو منظور فرمایا۔ اسکی نقول تیار کروائیں۔ اصل نسخہ اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ کرادیا۔ جبکہ چند ایک صحابہ کے پاس اپنے خصوصی مصاحف بھی تھے۔ اس امر پر کیا اندرونی اور کیا بیرونی، اپنوں اور مخالفوں، ہر طرح کی مستند و محقق رائے موجود ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں جو قرآن "بین الدفتین" دو جلدوں کے درمیان جمع کیا گیا، اس میں کسی قسم کی لفظی فروگذاشت نہیں ہوئی۔ اس جلد میں تمام سورتیں اور آیات اس نظم کے ساتھ مرتب کی گئی تھیں جو رسول کریم ﷺ نے اپنے کاتبین کو املاء کروائی تھی۔ پس اس میں کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ قرآن جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ کو وحی کیا گیا۔

قرآن کریم کی مختلف قرأتیں: اس دوسرے مرحلہ میں جو کام ہوا اس کا مختصر بیان یہ کہ ''قرأت'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کتاب کا لب ولہجہ اور الفاظ کا تلفظ۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ پر قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔ اسکی قرأت عرب کے ممتاز ترین قبیلہ قریش کی قرأت پر تھی۔ جو کہ رسول کریم ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا۔ اور خود رسول کریم ﷺ نے اپنے کاتبین کو اسی قرأت میں قرآن کریم املاء کروایا۔ یہی قرأت قریش میں رائج تھی۔ جب اسلام پھیلا اور مختلف قبائل اور اقوام کے افراد ودرُہ اسلام میں داخل ہوئے تو لب ولہجہ کے فرق کی وجہ سے، ان نومسلموں کی آسانی کے لئے قرآن کریم کو دوسری قرأت سے پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن جب اسلام بکثرت پھیلا اور قریشی لب ولہجہ سے لوگ آشنا ہونے لگے تو یہ وقتی اجازت موقوف ہوگئی کیونکہ عرب قبائل اور دیگر اقوام کے آپس کے میل جول کی وجہ سے قریشی قرأت عام ہوتی چلی گئی۔ خلافت عثمانی میں جب مختلف علاقوں کے لوگ کئی معرکوں میں اکٹھے ہوئے تو ان مختلف قرأتوں میں قرآن کو پڑھنے کی وجہ سے اختلاف سامنے آیا۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی تجویز جب حضرت عثمانؓ کے سامنے آئی تو آپؓ نے اسکو پسند فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ خود بھی ان کاتبین میں سے تھے جن کا شمار صف اول میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ اہل قریش سے تھے اس لئے قرآن کی قرأت سے بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذہ اس خطرہ کو جس کی نشاندہی حضرت حذیفہؓ نے کی تھی، محسوس کر کے فوری طور پر اقدام کیا، مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے ان سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر یہ طے پایا کہ تمام مصاحف کو یکجا کیا جائے، مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع کیا جائے، اس مصحف کی تدوین اسی قرآن کریم پر ہو جو کہ حضرت زیدؓ نے خلافتِ صدیقی میں جمع کیا تھا، پورا قرآن قریش کی قرأت پر لکھا جائے، اس کام کی تکمیل کے بعد دوسرے مصاحف تلف کر دیئے جائیں، تیار شدہ مصحف کی نقلیں تیار کر کے تمام بلاد اسلامیہ میں بھیج دی جائیں۔ حضرت عثمانؓ کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ، سعید بن العاصؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور عبدالرحمان بن حارثؓ نے اس فریضہ کو کماحقہٗ مکمل کیا۔ حفاظت قرآن کے مرحلے پر جو فیصلہ حضرت عثمانؓ نے کیا حضرت علیؓ کا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کو ایک نسخے پر جمع کرنے میں جو کچھ بھی کیا ہے ہم لوگوں کے مشورہ سے کیا ہے۔ میں ان کی جگہ ہوتا تو یہی راستہ اختیار کرتا۔ نیز اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں یہ خدمت سرانجام دیتا۔ **لو لم یصنعهٗ لصنعتهٗ.** (کتاب المصاحف الجزء الاول صفحہ ۱۲)۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''اے لوگو! عثمانؓ کے بارہ میں غلو سے بچو۔ یہ نہ کہو کہ انہوں نے قرآن کریم کو جلایا۔ بخدا انہوں نے اسے اصحاب رسول ﷺ کی رضامندی سے جلایا۔ انہوں نے ہمیں اکٹھا کیا اور پوچھا کہ تم قرآن میں اختلاف قرأت کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ ہم نے کہا آپ کی کیا رائے ہے۔ آپؓ نے فرمایا: مَیں چاہتا ہوں کہ تمام لوگوں کو ایک قرأت والے مصحف پر جمع کردوں کیونکہ آج اگر تم اختلاف میں پڑ گئے ہو تو تمہارے بعد لوگ اس سے زیادہ اختلاف میں پڑ جائیں گے۔ ہم نے عرض کیا آپ کی رائے ہی بہترین رائے ہے اور ہمیں اس سے اتفاق ہے۔'' (فتح الباری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن

جزء ۹)

حضرت عثمانؓ نے اس صحیفہ کو لا گو کر دیا جس پر امت حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں متفق ہوئی تھی۔ اب امت کی ذمہ داری تھی کہ جس صحیفہ کی انہوں نے متفقہ طور پر تصدیق کی تھی کہ یہ وہ قرآن ہے جو رسول کریم ﷺ سے انہوں نے سیکھا تھا، اس کو اختیار کریں اور مختلف قراءتوں کو جو کہ اختلاف کا سبب بن رہی ہیں چھوڑ دیں کیونکہ جس فائدہ کے لئے وہ اختیار کی گئیں تھیں وہ فائدہ اب نہیں رہا تھا بلکہ اب نقصان کا اندیشہ تھا۔ پس حضرت عثمانؓ نے اس کے سوا کوئی نیا کام نہیں کیا تھا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں:

''لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن بتاتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ صرف عثمانؓ کے لفظ کے ساتھ قافیہ ملایا ہے۔ ہاں شائع کنندہ قرآن اگر کہیں تو کسی حد تک بجا ہے۔ آپ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام دُور دُور تک پھیل گیا تھا۔ اس لئے آپ نے چند نسخے نقل کرا کر مکہ، مدینہ، شام، بصرہ، کوفہ اور بلاد میں بھجوا دئے تھے اور جمع تو اللہ تعالیٰ کی پسند کی ہوئی ترتیب کے ساتھ نبی کریم ﷺ ہی نے فرمایا تھا اور اسی پسندیدہ ترتیب کے مطابق ہم تک پہنچایا گیا۔ ہاں اس کا پڑھنا اور جمع کرنا ہم سب کے ذمہ ہے''۔ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۷۲)

حفاظت قرآن کے خدائی وعدہ کے مطابق قرآن کریم کی یہ تدوین اور قرأت کے ایک نسخے پر جمع کئے جانے کا عمل اتنا بروقت اور مستحسن تھا کہ اسلامی معاشرے نے اسے بغیر کسی پس و پیش کے قبول کر لیا اور اس طرح امت محمدیہ قریشی قرأت پر اکٹھی ہوگئی۔ اس طرح لہجہ کا اختلاف معنی کا اختلاف بننے سے پہلے ہی خدائی تقدیر سے ختم ہوگیا۔ **الحمدللہ علیٰ ذالک۔**

یہ بھی بات ذہن میں رکھی جانے والی ہے کہ حضرت عثمانؓ پر نام نہاد مسلمان مخالفین کی طرف سے بہت سے مطاعن کئے جاتے رہے مگر اس دَور میں جبکہ آپ تمام عرب کو قرآن کریم کی ایک قراءت پر اکٹھا کر رہے تھے تو کسی عرب نے خواہ وہ مخالف تھا یا موافق آپؓ کے اس فعل پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ قرآن کریم میں تحریف کی جارہی ہے۔ **قابل غور بات ہے** کہ حضرت علیؓ بھی یہ گواہی دیتے ہیں کہ حضرت عثمان کا فعل جو صحابہ کے مشورہ اور اتفاقِ رائے سے کیا گیا بہت صحیح تھا اور پھر حضرت علیؓ سے جنگ کے وقت حضرت امیر معاویہ کی طرف سے بھی کبھی یہ اعتراض نہیں کیا گیا کہ آپؓ کے نزدیک وہ قرآن درست ہے جو باقی امت مسلمہ کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے۔ اور تو اور خارجی بھی اسی قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے اس کے مطابق فیصلے کا مطالبہ کرتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اختلافِ رائے اور پھر اتفاق: حضرت عثمانؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں جب صحابہؓ کے اتفاقِ رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ امت کو ایک قرأت پر جمع کر دیا جائے اور یہ حکم جاری کیا کہ تمام عرب لغت قریش پر

جمع کئے گئے اس قرآن کریم پر اکٹھا ہو جائے جو حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں صحابہ رسول کی نگرانی میں تیار کئے گئے نسخہ سے تیار کیا جا رہا ہے اور باقی نسخے جلا دیے جائیں۔ تو اس مرتبہ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ حکم پسند نہیں آیا اور آپؓ نے اپنی پسند کی قرأت والے اپنے صحیفہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جس میں آنحضور ﷺ کے تشریحی فرمودات بھی درج کئے ہوئے تھے جبکہ انہی وجوہ نزاع کو تو ختم کیا جا رہا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد آپ متفق ہو گئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ان القرآن انزل علی نبیکم من سبعة ابواب علی سبعة احرف او حروف و ان الکتاب قبلکم کان ینزل من باب واحد علی حرف واحد معناهما واحد. (ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف الجزء الاول صفحہ ۱۸)

قرآن کریم تمہارے نبی (ﷺ) پر سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ تم سے پہلے کتابیں ایک ہی حرف پر نازل ہوتی تھیں۔ لیکن دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہوتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپؓ کا اختلاف کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا جس میں قرآن کریم کا مضمون یا آیات ہی بدل جاتی تھیں۔ آپ صرف یہ فرماتے تھے کہ ایک علم جو رسول کریم ﷺ نے سکھایا ہے وہ کسی کے کہنے پر کیونکر چھوڑ دیں؟ بہر حال جب آپؓ پر حکمت واضح ہوئی تو اپنے نسخہ کو تلف کر دیا اور پھر چوتھی بار قرآن کریم تحریر کیا جو کہ لغت قریش کے مطابق تھا۔ یہ نسخہ آج بھی محفوظ ہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسا صاحب ایمان شخص جو اپنی قرأت کو محض اس لئے نہیں چھوڑتا کہ یہ آپؓ نے حضرت رسول کریم ﷺ سے سیکھی ہے کسی دوسرے کے کہنے پر کیوں چھوڑ دیں کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی ایسی بات پر راضی ہو جاتا جو حفاظتِ قرآن کے معاملہ میں درحقیقت شک پیدا کرتی ہو؟

جمع قرآن کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خلافتِ راشدہ سے اختلافات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ بہت غور و خوض کے بعد کسی حکمت کے تحت ایک حکم جاری کرتی تھی اور مستقبل میں سر اٹھانے والے ممکنہ خطرات کو بھانپتے ہوئے حفاظت قرآن کے ضمن میں جو اقدام کئے، جیسے جیسے آپؓ پر ان اقدامات کی حکمتیں کھلتی چلی گئیں آپ تسلیم کرتے چلے گئے۔

علاوہ ازیں جب نبی کریم ﷺ کے زیر نگرانی دوسرے صحابہ کتابتِ قرآن کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اور پوری احتیاط برتی جا رہی تھی تو اس کے مقابل پر ایک صحابیؓ کے ذاتی اور نامکمل کام کو پیش کرنا جو رسول کریم ﷺ کی خاص نگرانی میں بھی نہیں تھا، کس اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے؟ ہمیں حضرت ابن مسعودؓ کے کام کی اہمیت اور ان کی عظیم الشان خدمتِ قرآن سے انکار نہیں۔ مطلب صرف یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زیر نگرانی اور باہتمام خاص ہونے والے کام کے مقابل پر، اور صحابہؓ کے متفقہ اور اجماعی فیصلہ کے برخلاف اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

جماعت احمدیہ برطانیہ کا 41 واں جلسہ سالانہ

منعقدہ 29,28,27 جولائی 2007ء

بمقام حدیقۃ المہدی ہمپشائر برطانیہ

(تحریر وترتیب: مکرم محمود طاہر صاحب مربی سلسلہ)

جماعت احمدیہ برطانیہ کا 41 واں جلسہ سالانہ مورخہ 27 تا 29 جولائی 2007ء کو حدیقۃ المہدی ہمپشائر برطانیہ میں منعقد ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح کی لندن موجودگی کی وجہ سے اس جلسہ کو جماعت کے مرکزی جلسہ کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔جس میں شرکت کے لئے دُنیا بھر سے احباب جماعت برطانیہ کا سفر کرتے اور جلسہ سالانہ کی برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

جلسہ سالانہ کے یہ تین ایام دُنیا بھر میں روحانی موسمِ بہار کا سماں پیدا کر دیتے ہیں۔احباب جماعت اہتمام کے ساتھ اس کی رونقوں سے مستفیض ہوتے ہیں۔ایم ٹی اے پر جلسہ کی مکمل کارروائی لائیو ٹیلی کاسٹ ہوتی ہے اس کی وجہ سے دُنیا بھر کے احمدی جلسہ سالانہ برطانیہ میں شمولیت کر لیتے ہیں۔

جلسہ سالانہ 2007ء کے مختصر کوائف قارئین ماہنامہ ''انصار اللہ'' کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

معائنہ انتظامات اور حضور انور کا خطاب

مورخہ 22/جولائی 2007ء بروز اتوار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 41 ویں جلسہ سالانہ برطانیہ کے انتظامات کا جائزہ لیا اور جلسہ کے کارکنان سے خطاب فرمایا۔اسلام آباد میں الرقیم پریس کا بھی حضور نے دورہ فرمایا۔اسلام آباد کے بعد حضور انور حدیقۃ المہدی ہمپشائر تشریف لے گئے۔حضور نے پارکنگ،مردانہ وزنانہ جلسہ گاہ،رجسٹریشن ایم ٹی اے اور شعبہ تراجم کا معائنہ فرمایا اس کے بعد سٹیج پر تشریف لائے اور ناظمین کو شرف مصافحہ بخشا۔تلاوت و نظم کے بعد حضور نے کارکنان جلسہ کو خطاب فرمایا۔موسمی صورتحال کے حوالہ سے حضور نے ہدایات دیں اور پارکنگ،سیکیورٹی کے حوالہ سے خاص طور پر توجہ دلائی اور کارکنان کو اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی تلقین فرمائی۔دعا کے ساتھ یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

جلسہ سالانہ برطانیہ کا سٹیج

41ویں جلسہ سالانہ برطانیہ کے سٹیج کے لئے جو ڈیزائن تیار کیا گیا تھا اس کا مرکزی مضمون MTA3 العربیہ کا اجراء اور اس کے ذریعہ سعید فطرت عربوں کا احمدیت میں شامل ہونا تھا۔ عمومی منظر صحرا میں سورج کے طلوع ہونے کا نظارہ تھا جس میں بائیں طرف ایک خوبصورت گیٹ جس کے اوپر MTA3 العربیہ کے الفاظ درج تھے۔ اس گیٹ کی طرف سفید پرندے اڑتے چلے آرہے ہیں۔ سفید رنگ نیک اور سعید فطرت روحوں کی سعادت مندی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سٹیج پر حضرت مسیح موعود کا الہام یصلّون علیک صلحاء العرب و ابدال الشام یعنی عرب کے نیک لوگ اور شام کے ابدال میرے لئے دعائیں کرتے ہیں، انگریزی ترجمہ کے ساتھ درج تھا۔

پروگرام جلسہ سالانہ

جلسہ سالانہ برطانیہ 2007ء کا آغاز تو 27 جولائی 2007ء کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ سے ہو گیا تھا جو حضور نے جلسہ گاہ میں ہی ارشاد فرمایا تھا تاہم باقاعدہ رسمی آغاز پاکستانی وقت کے مطابق 8:25 پر تقریب پرچم کشائی کے بعد ہوا۔ حضور انور نے لوائے احمدیت لہرایا۔ جبکہ مکرم رفیق احمد حیات صاحب امیر جماعت یو۔ کے نے برطانیہ کا جھنڈا لہرایا۔ جس کے بعد حضور نے دعا کروائی اور حضور جلسہ گاہ تشریف لے آئے اور پھر افتتاحی اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ افتتاحی اجلاس حضور کی تقریر کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

دوسرے روز یعنی 28 جولائی بروز ہفتہ کو ''بنگلہ دیش میں احمدیت کی ترقی'' کے عنوان پر مکرم عبدالاول خان صاحب مربی انچارج بنگلہ دیش نے تقریر کی اس کے بعد انگریزی زبان میں مکرم بلال ایٹکنسن صاحب ریجنل امیر نارتھ ریجن یو کے نے حضرت مسیح موعودؑ کے تعلق باللہ پر خطاب کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا مستورات سے خطاب پاکستانی وقت کے مطابق 4 بجے شروع ہوا۔ دوسرے دن دوسرے سیشن میں حضور انور کے خطاب سے قبل بعض معزز مہمانوں کے مختصر خطابات ہوئے اور پھر حضور انور نے سال بھر میں ہونے والی ترقیات اور افضال الٰہی کا کچھ تذکرہ اپنے خطاب میں فرمایا۔

تیسرے دن 29 جولائی بروز اتوار پہلے سیشن میں پہلی تقریر انگریزی بعنوان ''آخری زمانہ کے متعلق آنحضور کی پیشگوئیاں'' مکرم ابراہیم نونن صاحب مربی انچارج آئرلینڈ نے کی۔ دوسری تقریر ''احمدیت کے حق میں خدائی تائیدات'' کے عنوان پر مکرم مولانا محمد عمر صاحب ناظر اصلاح وارشاد قادیان نے کی پھر بعض معزز مہمانوں کے مختصر خطابات ہوئے۔ پہلے سیشن کی آخری تقریر انگریزی زبان میں مکرم رفیق احمد حیات صاحب امیر جماعت یو کے نے کی جس کا عنوان تھا۔ ''امت کے مسائل کا حل'' اس کے بعد عالمی بیعت کی تقریب ہوئی۔ اختتامی سیشن میں حضور انور کے

خطاب سے پہلے بعض معززین کے خطابات ہوئے۔جس کے بعد حضور انور نے اختتامی خطاب فرمایا اور دعا کروائی۔

جلسہ سالانہ برطانیہ سے حضور انور کے خطابات

جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ الودود نے خطبہ جمعہ کے علاوہ روح پرور چار خطابات فرمائے ان میں افتتاحی خطاب ، دوسرے روز لجنہ سے خطاب، دوسرے روز کا خطاب اور پھر تیسرے دن اختتامی خطاب فرمایا۔

حضور پُر نور کے روح پرور اور وجد آفریں خطابات جلسہ سالانہ کی روح تھے۔افتتاحی خطاب میں حضور انور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی 1907ء کی تقریر بر موقع جلسہ سالانہ کے بعض حصوں کو موضوع بنایا۔اور فرمایا کہ یہ تعلیم آج بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ اُس دور میں تھی۔یہی تعلیم ہے جو سیدھا راستہ دکھانے والی ،قرآنِ کریم کا فہم وادراک دینے والی اور خدا کے ساتھ بندے کا تعلق جوڑنے والی ہے۔حضور نے احباب جماعت کو اپنے اندر حقیقی احمدی والی تبدیلیاں پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ اپنے نفس کی صفائی کریں۔ہر عمل اس سوچ کے ساتھ کریں کہ خدا کی ہر آن ہم پر نظر ہے۔جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اپنی تائید ونصرت سے فتح نصیب کرتا ہے اور اسے ہر شر و مصیبت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہی ہر احمدی کی آخری منزل ہونی چاہیے۔

لجنہ سے خطاب: مورخہ 28؍ جولائی 2007ء بروز ہفتہ حضور انور جلسہ سالانہ مستورات میں رونق افروز ہوئے۔خطاب سے پہلے حضور نے تعلیمی میدان میں اعزاز پانے والی طالبات میں انعامات تقسیم فرمائے جبکہ حضرت بیگم صاحبہ نے طالبات کو میڈل پہنائے۔زنانہ جلسہ گاہ سے حضور کا خطاب مردانہ جلسہ سالانہ اور MTA کے ذریعہ دُنیا بھر میں سنا گیا۔

حضور انور نے خواتین سے اپنے خطاب میں احمدی خواتین کی نیکی ،تقویٰ اور قربانیوں میں جو عظیم مثالیں قائم کی ان کا تذکرہ فرمایا۔حضور نے فرمایا کہ احمدی عورت کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں پیچھے نہیں ہے احمدی خواتین نے مالی قربانی میں بھی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔اس طرح دعوت الی اللہ کے میدان میں بھی بہت آگے ہیں۔پس پاک دل اور صاف روح ہو کر قربانیوں میں آگے سے آگے بڑھتی چلی جائیں اور اپنی روایات کو کبھی نہ چھوڑیں۔دُنیا کو خدا کے جھنڈے تلے ہم نے لانا ہے اور اس انقلاب کو لانے کے لئے تم پیدا کی گئی ہو۔

دوسرے روز کا خطاب: دوسرے روز کے آخری سیشن میں حضور انور نے حسب سابق سال بھر میں جماعت احمدیہ پر ہونے والے افضال الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

حضور نے فرمایا کہ اب تک 189 ممالک میں احمدیت کا پودا لگ چکا ہے گذشتہ 23 سالوں میں 98 نئے

ممالک میں جماعت کا نفوذ ہوا۔ امسال 4 نئے ممالک گواڈے لوپ، سینٹ مارٹن، فرنچ گیانا اور ہیٹی بھی احمدیت میں شامل ہوئے ہیں ان ممالک میں جماعت فرانس کو احمدیت کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملی۔ 33 ممالک میں پرانے رابطے زندہ کیے گئے۔ 653 نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ 299 نئی بیوت الذکر عطاء ہوئیں جن میں 169 نئی بیوت تعمیر ہوئیں اور 130 بنی بنائی ملی ہیں۔ 186 مشن ہاؤسز کا اضافہ ہوا۔ کل تعداد مشن ہاؤسز 1,869 ہوگئی ہے۔ رقیم پریس یو۔ کے کی نگرانی میں افریقہ کے آٹھ ممالک میں پریس چل رہے ہیں۔ دورانِ سال برکینا فاسو کی زبان مورے میں ترجمہ قرآن طبع ہوا ہے۔ اسی طرح گیمبیا کی تین زبانوں میں بھی ترجمہ قرآن چھپ گیا ہے۔ کل تراجم قرآن کی تعداد 64 ہوگئی۔

ایم ٹی اے 3 العربیہ کا آغاز ہوا ہے اس کے غیر معمولی نیک اثرات پیدا ہوئے ہیں۔ 1621 واقفینِ نو کا اضافہ ہوا کل تعداد واقفینِ نو 34,811 ہوگئی ہے۔ ہیومینٹی فرسٹ UNO کے ساتھ رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔ غیر معمولی خدمات اُس نے انجام دی ہیں۔ امسال 2,61,969 نئے پھل اللہ تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوئے ہیں وصیت کے میدان میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ 2004ء میں 38 ہزار موصی تھے لیکن حضور انور کی تحریک کے بعد اب تک یہ تعداد مسل نمبر کے لحاظ سے 71,700 تک پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر میدان میں اللہ کے افضال جماعت پر نازل ہو رہے ہیں۔

اختتامی خطاب: مورخہ 29 جولائی 2007ء بروز اتوار پاکستانی وقت کے مطابق رات آٹھ بج کر دس منٹ پر حضور انور اختتامی اجلاس کے لئے جلسہ گاہ تشریف لائے۔ تلاوت، عربی قصیدہ اور نظم کے بعد تعلیمی میدان میں اعزازات پانے والے طلبہ کو حضور انور نے میڈلز اور تحائف سے نوازا اور پھر اختتامی خطاب فرمایا۔ حضور نے اس خطاب کے لئے بھی حضرت مسیح موعودؑ کی 1907ء کی تقریر کے بعض حصوں کو موضوع بنایا۔ اور اس کے ساتھ صد سالہ جوبلی کی دعاؤں اور ان کی تاثیرات واہمیت کے بارہ میں احباب جماعت کو متوجہ فرمایا اور ان دعاؤں کے ورد کی ازسرنو یاد دہانی کرائی۔

آخر پر حضور نے جلسہ کی حاضری بتائی کہ 25 ہزار سے زائد احباب اس میں شریک ہوئے۔ موسمی حالات ناسازگار ہونے کے باوجود کثیر تعداد میں جماعت جلسہ سالانہ یوکے میں شامل ہوئے۔

اختتامی دعا کے ساتھ جلسہ سالانہ برطانیہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ دعا کے بعد احباب جماعت نے فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور مختلف اقوام نے حمدیہ نغمے گائے جس کے بعد حضور انور خدا حافظ کہہ کر مستورات کے پنڈال میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر وہاں بچیوں نے مختلف نظمیں مختلف زبانوں میں پیش کیں۔ حضور انور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کے درمیان چند منٹ رونق افروز رہے۔ جس کے بعد حضور انور اپنی رہائش گاہ تشریف لے گئے۔

عالمی بیعت کا روح پرور نظارہ

مورخہ 29 جولائی 2007ء بروز اتوار پاکستانی وقت کے مطابق شام سوا پانچ بجے عالمی بیعت کی روح پرور تقریب منعقد ہوئی۔ امسال اللہ کے فضل سے دنیا بھر میں 2 لاکھ 61 ہزار 969 سعید روحیں احمدیت میں داخل ہوئیں جن میں 146 ممالک کی 365 اقوام کے لوگ شامل ہیں۔ حضور انور حضرت مسیح موعود کا سبز کوٹ پہنے جب جلسہ گاہ میں بیعت کے لئے تشریف لائے تو حضور کے سامنے آسٹریا، فرنچ گیانا، ہیٹی، ہمبرگ، رشیا، البانیہ، جرمنی، کویت، قزاقستان، مالی، صومالیہ، کرغستان، گنی کناکری، سویڈن اور انگلینڈ سے تعلق رکھنے والے نومبائعین بیٹھے تھے جنہوں نے حضور کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر جسمانی رابطہ پیدا کیا پھر جلسہ گاہ میں موجود باقی احباب نے ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روحانی و جسمانی تعلق بنایا۔ ایم ٹی اے کے ذریعہ دنیا بھر کے کروڑوں احمدیوں نے تجدید بیعت کی۔ حضور نے انگریزی زبان میں بیعت کے الفاظ دہرائے جبکہ جلسہ گاہ میں موجود مختلف اقوام کے لوگوں کے ساتھ ان کی زبان میں الفاظ بیعت دوہرانے کا انتظام موجود تھا۔

بیعت کے الفاظ دہرانے کے بعد اکناف عالم کے احمدیوں نے اپنے آقا کی اقتدا میں سجدہ شکر ادا کیا۔ سجدہ شکر کے ساتھ ہی 15 ویں عالمی بیعت کا وجد آفرین پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ یاد رہے کہ عالمی بیعت کا روحانی پروگرام حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1993ء میں جاری فرمایا تھا اور اب تک کروڑوں سعید روحیں عالمی بیعت میں شامل ہو چکی ہیں۔

جلسہ سالانہ اور ایم ٹی اے کی نشریات

ایم ٹی اے کی لائیو نشریات کی بدولت سارا جلسہ سالانہ برطانیہ MTA پر ٹیلی کاسٹ ہوا یوں دنیا بھر کے کروڑوں افراد نے MTA کے ذریعہ جلسہ سالانہ UK میں شرکت کی سعادت اور اس سے فیض حاصل کیا۔ جلسہ کی جملہ کارروائی کے علاوہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے احباب کے لائیو انٹرویوز بھی نشر ہوئے جنہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ ڈیوٹی پر موجود لوگوں کے تاثرات بھی نشر ہوئے۔ اسی طرح ایم ٹی اے سٹوڈیو میں خوش الحانی سے نظمیں پڑھنے والے احباب نے بھی اپنی خوبصورت آواز سے جلسہ کو رونق بخشی اور ایم ٹی اے کے ناظرین کو محظوظ کیا۔ ایم ٹی اے نے جلسہ سالانہ کی کارروائی کو متعدد بار ٹیلی کاسٹ کیا۔ اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ برطانیہ کی برکات سے ہمیں مستفیض فرمائے اور شاملین جلسہ سالانہ کو حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کا وارث ٹھہرائے۔ آمین۔

توجہ فرمائیں

سال رواں ختم ہونے میں تین ماہ باقی ہیں بہت سے خریداران کے ذمہ سابقہ بقایا اور سال رواں کا چندہ ماہنامہ انصار اللہ واجب الادا ہے۔ براہ کرم اس کی ادائیگی سال کے ختم ہونے سے قبل کر دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

مینیجر ماہنامہ انصار اللہ

رحمت کی آس میں مِرا دستِ دُعا دراز

(کلام: مکرمہ سیدہ امۃ القدوس صاحبہ)

رحمت کی آس میں مِرا دستِ دُعا دراز
اِک نظرِ التفات سے مولا مُجھے نواز

ہر آن ہے لپیٹ میں اپنی لئے ہوئے
احساس کی تپش مجھے افکار کا گداز

لمحے جُدائیوں کے بہت ہو گئے طویل
فُرقت کی لَے میں ڈوبی ہوئی ہے نوائے ساز

خُدّام کے فراق میں محمود بے قرار
شہرِ وفا میں مضطرب محمود کے ایاز

ربِّ کریم! شانِ کریمی کا واسطہ
پہلی سی ڈال پھر وہی نِگہِ نیم باز

یہ ابتلاء کا دَور بھی ہم کو قبول ہے
آقا مرے بخیر رہیں عمر ہو دراز

تیرے سوا ہے کون؟ تری ذات ہی تو ہے
مشکل کُشا، مجیبِ دُعا، ربِّ کارساز

تیرے ہی پاس ہے مرے ہر کرب کا علاج
چارہ گری کا کوئی کرشمہ! اے چارہ ساز

کتاب ''سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ''

تبصرہ اور چند تسامحات پر ایک نظر

(قسط نمبر 2)

تحریر: مکرم عاصم جمالی صاحب

سرسید کے دو رسالے (کتابیں) پیش نظر ہیں۔ ایک کتاب کا موقف دوسری کتاب سے موافقت نہیں رکھتا۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''دوسری کتاب جس کا نام تحریر فی اصول التفسیر ہے اُن کی اس کتاب ''الدعا و الاستجابۃ۔ ناقل) سے بالکل متناقض اور مغائر پڑی ہوئی ہیں۔ گویا سید صاحب نے کسی مدہوشی کی حالت میں یہ دونوں رسالے لکھے ہیں۔''
(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 15)

حضرت اقدسؑ دونوں کتابوں کتابوں کے تناقض کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''سید صاحب استجابت دعا کے رسالے میں تو تقدیر کو مقدم رکھتے ہیں اور اسباب عادیہ کو گویا ہیچ خیال کرتے ہیں اور اسی بناء پر استجابت دعا سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ دعا منجملہ اسباب عادیہ کے ہے جس پر ایک لاکھ سے زیادہ نبی اور کئی کروڑ ولی گواہی دیتا چلا آیا ہے اور نبیوں کے ہاتھ میں بجز دعا کے اور کیا تھا۔ (نشان ڈال کر حاشیے میں حضرت اقدسؑ نے قطب زبانی وغوث سبحانی..... سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''فتوح الغیب'' سے استجابت دعا کی فلاسفی سے متعلق حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا ایک اقتباس دیا۔ (راقم الحروف)۔
(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 15)

سرسید تقدیر کو مقدم رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ جو امور ہونے والے ہیں۔ وہ مقدر ہیں یعنی علم الٰہی میں ہیں اور جو نہیں ہونے والے وہ بھی علم الٰہی میں ہیں۔ اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنی سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جاویں تو خدا کا یہ وعدہ کہ اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدر نہیں ہے۔ کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔''

''..... جب یہ ثابت ہوجائے کہ حصول سوال منحصر مقدر پر ہے تو استجابت دعا جس کا وعدہ خدا نے کیا ہے

وہ اور کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔''

''ہاں اس میں شبہ نہیں کہ بعض امور جن کا ہونا مقدر میں ہے ان کے لئے بھی دُعا مانگی جاتی ہے وہ حاصل ہوجاتے ہیں اوران پر استجابت دعا کا مجازاً اطلاق کیا جا سکتا ہے۔''

''حضرت زکریا کے بیٹا پیدا ہونے کو مجازاً استجابت دعا کہا جاوے۔کیونکہ بیٹا پیدا ہونا مقدر تھا وہ ضرور ہونا تھا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی نسبت کہ **رب ھب لی من الصالحین فبشرناہ بغلام حلیم** مجازاً استجابت دعا کہا جاتا ہے کیونکہ بیٹا ہونا مقدرات میں سے تھا۔''

''استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دل میں جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔اُس کے پیدا ہونے کی ہوئی۔''

(سرسید احمد خان، الدعا والاستجابۃ صفحہ 3،4،5 مطبوعہ مشہور عالم پریس لاہور)

اس سے پہلے کہ ہم سرسید کی دونوں زیرنظر کتابوں کے مغائر ہونے کے بارے میں بات کریں۔ پہلے ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ مقدر اور اسباب عادیہ کی مثالیں درج کرتے ہیں۔جن کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔

''اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دعا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دُعا یا ترکِ دُعا۔مگر کیا سید صاحب یہ رائے ظاہر کرسکتے ہیں کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دعاؤں میں کچھ اثر نہیں رکھا۔پھر اگر سید صاحب باوجود ایمان بالقدیر کے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ دوائیں بھی اثر سے خالی نہیں تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے یکساں اور متشابہ قانون میں فتنہ اور تفریق ڈالتے ہیں؟ کیا سید صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سناء اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھ دے کہ ان کی پوری خوراک کھانے ساتھ ہی دست چھوٹ جائیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کردے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقدِ ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ نظام الٰہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندے کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ دُعاؤں میں مرعی نہ ہو؟ نہیں نہیں! ہرگز نہیں!! بلکہ خود سید صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بیخبر ہیں اور اُن کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے۔اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اُس کو بے اثر پا کر اس دوا پر عام حکم لگاوے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔

افسوس! صد افسوس کہ سید صاحب باوجودیکہ پیرانہ سالی تک پہنچ گئے مگر اب تک اُن پر یہ سلسلۂ نظام قدرت مخفی رہا کہ کیونکر قضاوقدر کو اسباب سے وابستہ کر دیا گیا ہے اور کس قدر یہ سلسلہ اسباب اور مسببات کا باہم گہرے اور لازمی تعلقات رکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس دھوکے میں پھنس گئے کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ گویا بغیر ان اسباب کے جو قدرت نے روحانی اور جسمانی طور پر مقدر کر رکھے ہیں کوئی چیز ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ یوں تو دنیا میں کوئی چیز بھی مقدر سے خالی نہیں مثلاً جو انسان آگ اور پانی اور ہوا اور مٹی اور اناج اور نباتات اور حیوانات اور جمادات وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ سب مقدرات ہی ہیں۔ لیکن اگر کوئی نادان ایسا خیال کر لے کہ بغیر ان تمام اسباب کے جو خدا تعالیٰ نے مقدر کر رکھے ہیں اور بغیر ان راہوں کے جو قدرت نے معین کر دی ہیں ایک چیز بغیر توسط جسمانی یا روحانی کے حاصل ہو سکتی ہے تو ایسا شخص گویا خدا تعالیٰ کی حکمت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔''

(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 15)

مقدرات اور اسباب عادیہ کی وضاحت کے بعد اب ہم سرسید صاحب کی ''الدعا والاستجابۃ'' کے مضمون کے برعکس موقف ''تحریر فی اصول التفسیر'' میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

''دوسرے رسالہ میں گویا سرسید صاحب تقدیر کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتے کیونکہ تمام اشیاء کو انہوں نے ایک مستقل وجود قرار دے دیا ہے۔ گویا وہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔ اب اُس کو ان کی تبدیلی اور تغییر پر کچھ بھی اختیار نہیں اور گویا اُس کی خدائی فقط تنگ دائرہ میں محدود ہے اور اُس کے قادرانہ تصرفات آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں اور جو اشیاء پر حالت پر وارد ہے وہ اُس کی تقدیر نہیں بلکہ اب وہ مخلوقات کی ایک ذاتی خاصیت ہے جو قابل تغیر و تبدیل نہیں کیونکہ تقدیر کے مفہوم کو اختیار مقدر لازم پڑا ہوا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جن خواص پر خدا تعالیٰ کا کچھ بھی اختیار باقی نہیں رہا تو پھر اُن خواص کو اُس کی تقدیر کیونکر کہنا چاہیے۔ اور اختیار ہے تو پھر امکان تبدیلی باقی ہے۔ غرض سید صاحب نے اس دوسرے رسالہ میں مقدر حقیقی کی حکومت تمام چیزوں کے سر پر سے ایسی اٹھا دی ہے کہ وہ اپنے خواص میں (بقول سید صاحب) تابع مرضی مالک نہیں رہیں۔''

(ایضاً صفحہ 16-17)

اسی طرح سرسید قانون فطرت میں استثناء یعنی معجزات کے وقوع پذیر ہونے سے بھی انکاری ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''وہ بحث اس میں ہے جب کہ معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جاوے جس کو انگریزی میں ''سپر نیچرل'' کہتے ہیں اور اس سے انکار کہتے (کرتے) ہیں اور ان کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسے کہ قولی وعدہ کا ایفاء نہ ہونا۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزہ

قرار دیتے ہو اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بے فائدہ امر ہوگا۔ جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم'' (سرسید احمد خان، تفسیر القرآن مع اصول التفسیر صفحہ 50 مطبوعہ مشہور عالم پریس لاہور)

کویا خدا تعالیٰ کے قادرانہ تصرفات کے قائل نہیں جبکہ ''الدعاء والاستجابۃ'' میں مقدر کو ہی سب کچھ گردانتے ہیں لیکن ''تحریر فی اصول التفسیر'' میں اس سے انحراف کرتے ہیں جیسے کہ اس کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''کسی آیت کے کوئی معنی بیان کرنا اور اُس کی صحت کے لئے خدا کے قادر مطلق ہونے پر حوالہ کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک خدا بموجب اپنے وعدہ کے اس کام اس قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اُس نے بنایا ہے۔'' (سرسید احمد خان، تفسیر القرآن مع اصول التفسیر صفحہ 51)

سرسید دعا کے معاملے میں مقدر کو لے بیٹھے ہیں اور اصول تفسیر میں خدا تعالیٰ کے قادرانہ تصرفات کو پسِ پشت ڈالتے ہیں لیکن مصنف کتاب زیرنظر ڈاکٹر سید محبوب شاہ صاحب اسے ایک عام سی بات بتاتے ہیں۔ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک قولِ فیصل نقل کیا جاتا ہے:

''ہر ایک فن میں اُسی شخص کی شہادت معتبر سمجھی جاتی ہے جو اس فن کا محقق ہوتا ہے۔ پس اس بناء پر استجابت دعا کی فلاسفی اس شخص کو سچے طور پر معلوم ہوسکتی ہے جس کو خدا تعالیٰ سے سچے تعلقات صدق اور محبت کے حاصل ہوں۔ پس سید احمد خان صاحب سے اس پاک فلاسفی کا دریافت کرنا ایسا ہے جیسے ایک بیطار سے کسی انسان کی مرض کا علاج پوچھنا۔ سید صاحب اگر کسی دنیاوی گورنمنٹ کے تعلقات اُن کی رعایا کے ساتھ بیان کریں تو بلاشبہ اس بات کے قائل ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی باتیں خدائی لوگ جانتے ہیں۔'' (برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 15 حاشیہ)

5-6 نمبر: ڈاکٹر سید محبوب شاہ صاحب نے ان نمبروں کے تحت تحریر کیا ہے کہ سرسید نے اپنے رسالے کی ابتداء میں دعا اور نداء کو دو مترادف الفاظ قرار دیا ہے۔ جن کے لغوی معنے پکارنے کے ہیں اور یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ دعا اور نداء دو مترادف الفاظ ہیں۔ اس سلسلے میں سورۃ الانبیاء آیت 90، سورۃ المومن آیت 11-12، سورۃ البقرہ آیت 187، سورۃ آل عمران آیت 39، سورۃ الانبیاء آیت 90، سورۃ الصافات آیت 98-99 اور سورۃ النمل آیت 63 سے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے حوالے دیئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عبادت کا لفظ دعا کے مترادف آیا ہے جو کافی ثبوت ہے کہ دعا اور عبادت مترادف لفظ ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے سرسید کی نقل کردہ مشکوٰۃ شریف سے دو حدیثیں پیش کیں ہیں اور آخر پر لکھا ہے کہ سرسید نے اپنے خیالات کی تائید میں بیشتر آیاتِ قرآنی اور احادیث صلعم سے ثبوت پیش کئے ہیں جبکہ مرزا صاحب نے

رسالے میں اثر دعا پر ایک طویل بحث شروع کر دی ہے۔ انہوں نے لفظ دعا اور نداء پر اظہار خیال کرنے سے بھی گریز کیا۔ نیز اپنے موقف کے ثبوت میں آیات قرآنی اور احادیث رسول مقبولؐ پیش کرنے سے بھی قاصر رہے۔''

(سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ صفحہ 144، 167، 168)

اس بات کے ثبوت میں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنے موقف کے ثبوت میں کس قدر آیات قرآنی اور احادیث رسول مقبولؐ پیش کی ہیں۔ اس بارے میں ہم تفصیلاً اوپر لکھ آئے ہیں۔ جبکہ شاہ صاحب نے حضرت مرزا صاحبؑ کی کتاب کو شاید دیکھا ہی نہیں اگر دیکھا ہوتا تو اس قسم کی بات نہ لکھتے کہ آپؑ نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول مقبول کا حوالہ نہیں دیا۔

شاہ صاحب سرسید کے اس بیان پر بہت زور دیتے ہیں کہ دعا اور نداء دو مترادف لفظ ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خود شاہ صاحب بھی ''نداء'' کو دعا کے معنوں میں ہی لکھتے ہیں۔ اس کتاب کے ابتدائیہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے:

''اس مقالے میں جو شاید اس موضوع پر پہلی کوشش ہے، افکار سرسید کے ردّ و قبول کی زندہ روایت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نفس مضمون کو طول دے کر زیادہ سے زیادہ صفحات تک مقالے کو کھینچ کر لانے سے زیادہ سرسید کے دور سے لے کر آج تک کے ناقدین کے افکار کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ مگر ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ سرسید کے تمام ناقدین کے افکار اس مقالے میں سمیٹ لئے گئے ہیں۔ اس اعتراف کے ساتھ یہ دعا ہے کہ کوئی اُٹھے اور اس کام کو آگے بڑھائے۔......الخ''

(سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ صفحہ 23)

ان خط کشیدہ الفاظ میں اگر دعا کی بجائے ''نداء'' کا استعمال شاہ صاحب کرتے تو کیا اُن کا مفہوم ادا ہو جاتا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اگر موصوف اصرار کریں تو لکھ کر دیکھ لیں؟ خود ہی انہیں دستبردار ہونا پڑے گا خواہ اس عبارت کو فارسی یا عربی میں ڈھال لیں اُن کا مفہوم اور خواہش لفظ دعا ہی کو چاہتی ہے۔

سرسید کا یہ خاص انداز بیان ہے کہ وہ دو مختلف معانی الفاظ کو مترادف قرار دے رہے ہیں اور اپنے حسب مرضی معنی اور مفہوم سے استدلال شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح سرسید **ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ** سے استدلال کرتے ہوئے دعا اور عبادت کو مترادف لفظ لکھتے ہیں۔

(سرسید احمد خان، الدعاء والاستجابة صفحہ 3)

حضرت مرزا صاحبؑ اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

''......بعض اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دعا مانگنے پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ چنانچہ **اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ** اس پر شاہد ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہر دعا عبادت ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کو لاتسئلن کا تازیانہ کیوں لگایا جاتا۔

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 13)

سرسید نے تحریر فی اصول التفسیر جو نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان سے خط وکتابت کے نتیجے میں لکھی گئی تھی سے متعلق حضرت مرزا صاحبؑ نے سات معیار تفسیر قرآن کریم پیش کئے۔ اُن میں سے پہلا معیار ''شواہد قرآنی'' ہے۔

''اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنی کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی تصدیق کے لئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔ اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنوں کی دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہو اور سچے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآن کریم میں سے ایک لشکر شواہد بینہ کا اس کا مصداق ہو۔''

(برکات الدعا روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 18)

پس سرسید نے جو معنے دعا اور عبادت کو مترادف قرار دے کر آیت زیر نظر کے کئے ہیں وہ سچے نہیں کہلا سکتے کیونکہ وہ دوسری آیت سے صریح معارض ہیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ نے سرسید کے اس قول کہ گویا قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ تمام دعائیں قبول نہیں ہوتیں کے بارے میں فرمایا:

''یہ دعا جو آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں بطور امر کے بجالانے کے لئے فرمائی گئی ہے اس سے مُراد معمولی دعائیں نہیں ہیں بلکہ وہ عبادت ہے جو انسان پر فرض کی گئی ہے کیونکہ امر کا صیغہ یہاں فرضیت پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کل دُعائیں فرض میں داخل نہیں ہیں بلکہ بعض جگہ اللہ جل شانہٗ نے صابرین کی تعریف کی ہے۔ جو اناللہ پر کفایت کرتے ہیں اور اس دعا کی فرضیت پر بڑا قرینہ یہ ہے کہ صرف امر پر ہی کفایت نہیں کی گئی بلکہ اس کو عبادت کے لفظ سے یاد کر کے بحالت نافرمانی عذاب جہنم کی وعید اس کے ساتھ لگا دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ دوسری دعاؤں میں یہ وعید نہیں۔''

(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 12-13)

اور سرسید صاحب جو اس آیت

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝

ترجمہ: اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا سنوں گا۔ جو لوگ ہماری عبادت کے معاملہ میں تکبر سے کام لیتے ہیں۔ وہ ضرور جہنم میں رُسوا ہو کر داخل ہوں گے۔...... سے دعا اور عبادت کو مترادف قرار دیتے ہیں۔

(سرسید احمد خان، الدعاء والاستجابۃ صفحہ 3)

وہ امر کے صیغے اور وعید عذاب جہنم پر توجہ نہیں دیتے جو دوسری دعاؤں میں نہیں ہے۔ لہٰذا سرسید صاحب کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔

قرآن کریم میں وارد ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ
اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○
بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ
اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ○

تو کہہ دے کہ تم بتاؤں تو (سہی کہ) اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر وہ (موعودہ) گھڑی آ جائے تو اگر تم سچے ہو تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی (اور) کو پکارو گے۔
نہیں بلکہ تم اس کو پکارو گے پر اگر وہ چاہے گا تو جس (تکلیف کے ازالہ) کے لئے تم (اُسے) پکارو گے وہ اُسے ضرور دور کر دے گا اور تم اسے جسے تم (خدا کا) شریک قرار دیتے ہو بھول جاؤ گے۔

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بعض اوقات اولیاء اور انبیاء دعا کرنے کو سوء ادب سمجھتے رہے اور صلحاء نے ایسی دعاؤں میں استفتاء قلب پر عمل کیا ہے۔ یعنی اگر مصیبت کے وقت دل نے دعا کرنے کا فتویٰ دیا تو دعا کی طرف متوجہ ہوئے اور اگر صبر کے لئے فتویٰ دیا تو پھر صبر کیا اور دعا سے منہ پھیر لیا۔ ماسوا اس کے اللہ تعالیٰ نے دوسری دعاؤں میں قبول کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ صاف فرما دیا کہ چاہوں تو قبول کروں اور چاہوں تو رد کروں جیسا کہ یہ آیت قرآنی کی صاف بتلا رہی ہے اور وہ یہ ہے۔ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ○ (سورۃ الانعام آیت 42) اگر ہم تنزلاً مان بھی لیں کہ

اس مقام میں لفظ ادعــوا سے عام طور پر دعا ہی مراد ہے تو ہم اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں دیکھتے کہ یہاں دعا سے وہ دُعا مراد ہے جو بجمیع شرائط ہو اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو۔''

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 13)

باقی رہا دعا اور نداء کو مترادف قرار دینے کا معاملہ دونوں صورتوں میں خدا تعالیٰ سے استمداد چاہی جاتی ہے۔ وہ دعا ہی ہے۔ اس سے سرسید کا کیا استدلال ہے واضح نہیں ہوتا اور نہ ہی سرسید کے شیدائیوں نے اس پر کوئی روشنی ڈالی ہے۔ البتہ حضرت مرزا صاحبؒ کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ آپ نے ''لفظ دعا اور نداء پر اظہار خیال کرنے سے گریز کیا ہے۔'' آخر گریز سے کوئی فائدہ؟ یہ ایک غیر ضروری بحث ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ نے اسے غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔ جس سے دعا کے مسئلے کی کوئی گتھی بھی نہیں سلجھتی۔

شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ نے احادیث رسول مقبول بھی پیش نہیں کیں ہیں۔ جیسا غلط بیان موصوف کا آیات قرآنی نہ پیش کرنے سے متعلق ہے۔ اسی طرح کا یہ بھی بیان ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ جہاں مناسب

سمجھا ہے وہاں حدیث مبارکہ تحریر کی ہے۔ملاحظہ ہو۔ ''برکات الدعا صفحہ ۱۹'' اس صورت حال میں کوئی چارہ نہیں رہتا کہ شاہ صاحب کے بارے میں یہ رائے قائم کی جائے کہ انہوں نے برکات الدعاء کا سرے سے مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ کسی سے چند حوالے نکلوا کر اُن پر رائے زنی کرنی شروع کر دی ہے ورنہ وہ ایسے بلا جواز اعتراض نہ کرتے۔

سر سید احمد خان کے بارے میں ڈاکٹر سید محبوب شاہ صاحب کو علم ہے کہ

''ان پر منکرِ حدیث، معجزات سے انکار، فرشتوں، جناتوں اور شیاطین کے وجود سے انکار، تاثیر سحر کو نہ تسلیم کرنے، غلط تفسیر قرآنی بیان کرنے اور مذہبی مسلمات کی اپنی طرف سے غلط تشریح کرنے وغیرہ کے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ان الزامات کو الگ الگ بیان کر کے ان سے بُری کرانے کی بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔......''

(سر سید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ صفحہ 138)

شاہ صاحب! سر سید کے ناقدین کے تحقیقی جائزہ لینے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں لیکن الزامات و اعتراضات سر سید کا ذکر کر کے سر سید کو الزامات سے بُری کرانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ اُن کے موضوع سے خارج ہے جبکہ شاہ صاحب کو یہ بھی علم تھا کہ سر سید صاحب نے بے وجہ دین کے معاملات میں دخل دیا۔چنانچہ موصوف سر سید صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ابتداء میں ان کو عربی اور فارسی کی تعلیم دی گئی مگر وہ عربی کے بڑے عالم اور اسلامی فنون کے ماہر نہ بن سکے۔ان کا مذہبی مطالعہ بھی کسی قدر محدود تھا۔انہوں نے مذہبی معاملات میں دخل دیا اور اپنی طرف سے بعض ایسی باتیں کیں جنہیں سن کر ان کے رفقاء تک یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ سر سید نے بے وجہ دین کے معاملات میں دخل دے کر لوگوں کو اپنے خلاف کر لیا۔''

(ایضاً صفحہ 42)

اس اقرار کے باوجود شاہ صاحب کا سر سید کی مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا خواہ مخواہ دفاع کرنا بعید از فہم ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ

''قوم (جس حال میں) مبتلا تھی اس کے ساتھ ساتھ قوم کی کشتی کو طوفان سے نکالنے کی سعی بھی کرتے رہے۔''

(ایضاً صفحہ ۲۰۸)

سر سید کا قوم کی کشتی کو طوفان سے نکالنے کا جو دعویٰ ڈاکٹر سید محبوب شاہ صاحب کو ہے۔وہ صرف دنیوی حالت کے بارے میں درست کہا جا سکتا ہے۔لیکن مذہبی معاملات میں سر سید کے معاملہ کسی صورت میں قابل ستائش نہیں ہے۔جس کا اقرار خود شاہ صاحب کو بھی ہے لیکن آپ اعتراض برائے اعتراض اور نام نہاد ''تحقیقی جائزے'' کے شوق میں حقیقت پر عمداً پردہ ڈالتے ہیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام ان دونوں پہلوؤں پر یعنی دینی اور دنیاوی پہلو جو سرسید سے تعلق رکھتے ہیں اور موصوف کو مخاطب کر کے بتفصیل اپنی کتاب ”آئینہ کمالات......“ میں سرسید پر تبصرہ کیا۔ اُس طویل تحریر میں سے ہم جستہ جستہ چند عبارات نقل کرتے ہیں جن پر کتاب زیرِ نظر کے مصنف و مؤلف اور اس کے نگران کی نظر نہیں پڑی اور وہ قوم کی کشتی کو طوفان سے نکالنے کے مذہبی پہلو کا بالخصوص احاطہ کرتی ہیں۔ آپ سرسید صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اُن کے کاموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام سے محبت بھی رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے ہمدرد بھی ہیں اور اہل اسلام کی ذریّت کی دنیوی حالت کے خیر خواہ بھی۔ مگر باوصف اس کے تعجب پر تعجب یہ کہ وہ کیوں بیّنات قرآن کریم کے برخلاف نہایت مجہول اور منکر رائیں ظاہر کر رہے ہیں......“

”زیادہ تر افسوس کا یہ مقام ہے کہ سید صاحب نے قرآن کریم کی اُن تعلیموں پر جو اصل اسلام اور وحی کا لب لباب تھیں یا یوں کہو کہ جن کا نام اسلام تھا۔ خیر خواہی کی نیت سے پانی پھیر دیا۔ اور اپنی تفسیر میں آیات بینات قرآنِ کریم کی ایسی بعد از صدق و انصاف تاویلیں کیں کہ جن کو ہم کسی طرح سے تاویل نہیں کہہ سکتے بلکہ ایک پیرایہ میں قرآن کریم کی پاک تعلیمات کا ردّ ہے......“

آگے سرسید کی تاویلات کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”اے شخص تیری تمام تاویلات ایسی ہیں کہ اگر قرآنِ کریم ایک مجسم شخص ہوتا تو بصد زبان اُن سے بیزاری ظاہر کرتا......“

”آپ اس قدر اس فلسفہ سے کیوں ڈرتے ہیں اور کیوں اُس کے قدموں کے نیچے گرے جاتے ہیں اور کیوں قرآنی آیات کو تاویلات کے شکنجہ پر چڑھا رہے ہیں۔“

”طرفہ یہ کہ باوجود انکارِ معجزات، انکارِ ملائک، انکارِ اخبارِ غیبیہ، انکارِ وحی، انکارِ اجابت دُعا وغیرہ انکارات کے آپ جابجا یہ بھی مانتے گئے کہ قرآن برحق، رسول برحق، اسلام برحق اور مخالف اس کے سب باطل، تو ان متضاد خیالات کے جمع ہونے کی وجہ سے آپ کی تالیفات اُس...... کی مانند ہو گئیں کہ جو ایسا فرض کیا جائے کہ جس کا منہ آدمی کا ہو اور دُم بندر کی اور کھال کی بکرے کی اور پنجے بھیڑیئے کے اور دانت ہاتھی کے کھانے کے اور دکھانے کے اور......“

”چنانچہ اپنی بعض رایوں کے بیان کرنے میں آپ ایک ایسی ذوالوجوہات بیان کر جاتے ہیں جس کا ماحصل معلوم نہیں ہوتا اور...... آپ کا کلام دونوں صورتوں کی گنجائش رکھتا ہے۔ شُتر کی بھی اور مُرغ کی بھی......“

”آپ نے اسلام کے لئے بجز اس کے اور کیا کیا ہے کہ فلسفہ موجودہ کے بہت سے باطل خیالات کو مان لیا۔ اور اُس کتاب کو جس کے ایک ایک حرف سے شانِ خدا نظر آتی ہے۔ فلاسفروں کے خیالات کے تابع کرنا چاہا......“ (باقی آئندہ)

غزل

(کلام: مکرم طاہر عارف صاحب)

خلقتِ شہر اب دہائی دے
میرے مولیٰ کہیں دکھائی دے

ہر طرف وحشتوں کے ڈیرے میں
ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے

اب نہ سوکھے شجر پہ سہا ہوا
کوئی پتہ ہرا دکھائی دے

گم ہے ہر شخص چپ کی وادی میں
گونج بھی کوئی نہ سنائی دے

قید ہیں اپنی قید میں سارے
ایک بے نام خوف ہے ہر سُو
اے خدا خوف سے رہائی دے

دستِ خالی میں لے کے آیا ہوں
تو مجھے خیر رونمائی دے

آ کہ اب غیر بے جھجک مجھ کو
بزم میں طعنِ نارسائی دے

نہ مجھے غیر کے حوالے کر
تو مجھے شرفِ آشنائی دے

اب کہاں جاؤں دن ڈھلے طاہر
راستہ کوئی نہ دکھائی دے

وقفِ عارضی کی بے پایاں برکات اور ایمان افروز واقعات

خلیفہ وقت کے نام لکھے گئے خطوط میں سے منتخب اقتباسات

(مرسلہ: مکرم قائد صاحب تعلیم القرآن ووقف عارضی مجلس انصار اللہ پاکستان)

1۔مکرم اللہ بخش صاحب غازی لکھتے ہیں:

''میرے دلنواز آقا: آپ کی اس تحریک کو میں القائی منصوبہ سمجھتا ہوں عاجز نے اس عرصہ میں عجیب وغریب روحانی انقلاب دیکھا ہے۔بظاہر معمولی کام معلوم ہوتا ہے۔لیکن سچ یوں ہے:

ع یار پہلو میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

آپ نے تو گویا روحانیت کی بیڑی ہمارے ہاتھوں میں دے دی۔قرب الی اللہ کی راہ کو بہت ہی مختصر کر دیا۔خدا کرے کہ اس آسمانی تحریک کا دائرہ عمل وسیع تر ہو۔''

2۔ مکرم مرزا عمر احمد صاحب ابن محترم ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے لکھا:

''سیدی! یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل واحسان ہے کہ اس نے آپ کے ذریعہ سے وقف عارضی کی نہایت بابرکت تحریک فرمائی ہے۔اس میں حصہ لے کر نہ صرف دوسری جماعتوں کی تربیت کا موقع ملتا ہے بلکہ واقف کی خود اپنی تربیت اور اصلاح کے سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی واقف دوسرے کو نیکی کے کاموں کی تلقین کرتا ہے تو وہ اپنے گریبان میں جھانکتا اور اس میں اپنی خامیاں اور کمزوریاں دیکھتا تو نفسیاتی طور پر اس پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ پہلے اپنی خامیاں دور کرے اور اس طرح سے ساتھ ساتھ اس کی اپنی تربیت اور اصلاح بھی ہوتی رہتی ہے۔''

3۔ایک اور دوست لکھتے ہیں:

''واقعی یہ تحریک الٰہی تحریک ہے۔اس سے سالوں کے زنگ دھل جاتے ہیں اور جس طرح سونا بھٹی میں پڑ کر صاف ہوتا ہے۔اس طرح مومن کی اصلاح کا زریں پہلو ہے۔''

4۔مولوی محمد ابراہیم صاحب بھامبڑی مدرس تعلیم ...... ہائی سکول تحریر فرماتے ہیں:

''حضور نے یہ مبارک تحریک جاری فرما کر جماعت پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔مجھے اس عرصہ میں کثرت سے قرآن مجید اور حضرت مسیح موعود کی کتب پڑھنے کا موقع ملا اور بہت سے نئے دوستوں سے تعارف ہو کر معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔وعظ ونصیحت کرنے کا موقع ملا ہے۔اس تحریک میں حصہ لینے والے سے ان مربیان کی مشکلات اور قربانی کا احساس اور

اندازہ ہوتا ہے جو اپنے گھربار چھوڑ کر اور بال بچوں سے جدا ہو کر کئی سال بیرون ملک فریضہ دعوت الی اللہ ادا کرتے ہیں۔ واقعی یہ اپنے اوپر موت وارد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے امام کی مقرر کردہ جماعت کے علاوہ اور کوئی جماعت ایسی قربانیاں پیش نہیں کرسکتی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وقف عارضی میں حصہ لینے والے دوستوں کو کثرت سے دعا کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان کے دل میں خدمت کی روح فروغ پاتی ہے اور ذہنی افکار میں ایک جلا اور تیزی پیدا ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقف عارضی کے یہ دو ہفتے خدا کے فضل سے میرے سال رواں کے بہترین دن ہیں۔''

5۔ایک دوست تحریر فرماتے ہیں:

''واقعی ایام وقف میں جو انسان کے دل میں انابت الی اللہ پیدا ہوتی ہے اور دعاؤں کی توفیق ملتی ہے اور نمازوں میں سرور ملتا ہے وہ گھریلو زندگی میں کہاں نصیب ہوتا ہے۔''

6۔ایک دوست کا تاثر یہ ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور کی یہ تحریک وقف عارضی، آسمانی تحریک ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے حضور نے شروع فرمائی ہے۔ یہ نفس کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ پوشیدہ گناہوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ اپنے رب کے حضور راتوں کو اٹھ کر گریہ وزاری کرنے میں جو سرور آتا ہے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت میں بھی نہیں ہے۔ حضور دعا کریں کہ یہ آگ جو محبت الٰہی کی جلی ہے وہ کبھی نہ بجھنے پائے، بلکہ جب ہم واپس جائیں تو ہمارے اہل خاندان کو بھی روشن کرے۔''

7۔مکرم ملک مجیب الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''دیہاتی بچوں اور بچیوں کے درمیان بیت الذکر کی صفوں پر بیٹھے دو دو گھنٹے لگاتار قرآن کریم ناظرہ اور باترجمہ پڑھاتے وقت چشم تصور میں وہ صوفی اور بزرگ نظر آتے ہیں جنہوں نے فیج اعوج کے زمانہ میں عوام الناس کو دین سکھایا۔''

8۔ایک اور دوست نے اپنے تاثرات میں تحریر فرمایا:

''ہم نے روز اوّل سے ہی جماعت والوں کو منع کیا اور خود کھانا پکاتے رہے۔ میں اپنے گھر سے ساری قسم کی چیزیں ساتھ لے گیا تھا۔ چنانچہ لوگ کہتے تھے کہ آپ تو سارا باورچی خانہ ہی اٹھا کر لے آئے ہیں۔''

9۔مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر ربوہ تحریر فرماتے ہیں:

''ان لوگوں کے لئے بہت اچھا نمونہ ہے جو ملازمین کی خدمت پر انحصار رکھتے ہیں اور خود کام کرنے سے گریز کرتے ہیں۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت سال 1968ء صفحہ 149 تا 152)